آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہذیب و تمدن

میاں محمد جمیل ایم-اے
فاضل اردو، علوم اسلامیہ
ناظم ابو ہریرہؓ اکیڈمی لاہور پاکستان

ابو ہریرہؓ اکیڈمی
۳۷- کریم بلاک اقبال ٹاؤن - لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آپ ﷺ کا تہذیب و تمدن

میاں محمد جمیل
ایم۔اے
فاضل اردو۔علوم اسلامیہ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اکیڈمی
۳۷۔ کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

نام کتاب ________ آپ ﷺ کا تہذیب وتمدن

ازقلم ________ میاں محمد جمیل

پہلا ایڈیشن ________ دسمبر 2000ء

پانچواں ایڈیشن ________ اگست 2006ء

تعداد ________ 1100

قیمت ________ -/50
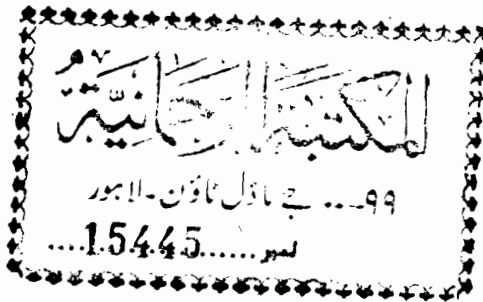
ناشر

ابوہریرہ اکیڈمی

۳۷-کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

042-5417233

اندازِ ترتیب

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات | صفحہ نمبر

تحریر کا مقصد

افراد اور اقوام کے رہن سہن، عادات وخصائل حتیٰ کہ کھانے پینے کے آداب کو بھی تہذیب وتمدن اور ثقافت وکلچر میں شمار کیا گیا ہے۔

ہر معاشرے اور اقوام کی عادات واطوار، بودوباش اور کھانے پینے کے انداز ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔ تہذیب وتمدن انسانوں کی عزت وعظمت کا معیار ہی نہیں بلکہ افراد کو یکجا اور متحد رکھنے میں اس کا بڑا دخل ہے جس طرح نظریات آدمی کو ایک دوسرے کے قریب اور دور کرتے ہیں یہی قوت تہذیب وتمدن میں کارفرما ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔

(مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ) (مشکوۃ کتاب اللباس)

''جس نے اپنی تہذیب کو چھوڑ کر کسی دوسری قوم کے تہذیب وتمدن کو اپنایا وہ انہیں میں سے سمجھا جائے گا۔''

لہٰذا ضروری تھا کہ امت کے تہذیب وتمدن کو نمایاں اور مسلم امہ کو ممتاز رکھنے کے لیے اس کو ایسی فکری یکسوئی اور حسن عمل سے آراستہ کیا جاتا جس کی کوئی نظیر پیش نہ کر سکے تاکہ امت اس قوت کے ساتھ اقوام عالم کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام اور آخرت میں کامیابی کا اعزاز پا جائے۔

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ﴾ (الاحزاب: ۲۱)

''بلاشبہ اللہ کے رسول ﷺ تمہارے لیے بہترین نمونہ ہیں خاص کر اس شخص کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن کا خیال رکھنے والا ہے۔''

☆☆☆

جمالِ مصطفیٰ ﷺ کا ایک منظر

عرب فصاحت و بلاغت کے بادشاہ' بچپن تا دمِ واپسیں آپ ﷺ سے آشنا' مگر جمال مصطفیٰ کے سامنے شاعر بے نوا ثابت ہوئے۔ قیافہ شناسی اور بلا کا حافظہ رکھنے کے باوجود آپ ﷺ کا حسن و جمال کسی ایک کے احاطۂ خیالات میں نہ آسکا۔ ایک ناک کی خوبصورتی میں کھو گیا۔ جبکہ دوسرا پیشانی مبارک کو دیکھتا رہ گیا۔ کوئی پرانوار چہرے سے آنکھیں نہ ہٹا سکا اور کسی کے دیدے گیسوئے تابدار دیکھتے رہ گئے۔ گویا کہ ہر دیکھنے والا ماہ تاباں کی ضوفشانیوں کی تاب نہ لا کر ساقط و جامد آنکھیں جھکائے کھڑا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کے حسن و جمال کا تصور دو چار نہیں درجنوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیان کرنے سے ایک جھلک کے طور پر ملتا ہے۔ جس سے روح کو سرور اور قلب و نظر کو لذت و کیف حاصل ہوتا ہے اس لیے ذوالبجادین رضی اللہ عنہ نے کہا تھا:

(وَاللّٰهِ نَظْرَةٌ مِنْ مُحَمَّدٍ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الدُّنيَا وَمَافِيهَا)

''کائنات کے رب کی قسم! آپ ﷺ کا ایک لمحے کا دیدار دنیا ومافیھا کے خزانوں سے بہتر ہے۔''

آئیں! نورِ ایمان کی جلوہ گاہ میں قلب و وجدان کی آنکھوں سے آپ ﷺ کے چہرہ گرامی کی زیارت سے باریاب ہونے کی سعادت حاصل کریں۔

☆ کھلا ہوا روشن اور تابناک چہرہ ☆ چاند نما مگر پُر جلال پیشانی ☆ نکھری ہوئی سرخ و سفید رنگت ☆ موٹی سرمگیں اور باحیا آنکھیں ☆ طوالت آمیز پلکیں ☆ باریک باہم ملے ہوئے تابدار ابرو ☆ پتلی مگر چہرے کے جمال و کمال کو دوبالا کر دینے والی ناک ☆ پتلے مردانہ ہونٹ' گفتار میں وقار' سکوت میں تدبر ☆ موتیوں جیسے چمکدار دانت' مسکرائیں تو نور کی شعاعوں کا جلوہ ☆ خاموش ہوں تو رعب اور جلال کا منظر ☆ ابھری ہوئی گول شجاعت کی ترجمان گردن ☆ کشادہ اور انوار و تجلیات سے بھرپور سینہ ☆ کھلے ہوئے پرلحم شانے ☆

درمیانہ مگر ابھرتا ہوا سرو قامت سراپا ☆ کلاہ افتخار میں اضافہ کردینے والا سر ☆ سیاہ و لچکدار گیسو۔

☆ آپ ﷺ کا چہرہ خوبصورت اخلاق بلند و بالا۔ (حضرت براء۔ مسلم باب صفۃ النبیؐ)

☆ آپ ﷺ سرخ جوڑے میں ملبوس' چودھویں رات کے چاند سے زیادہ خوبصورت (جابر بن سمرہؓ۔ شمائل ترمذی)

☆ گرمیوں میں آپ ﷺ کے پسینے کی خوشبو بعد میں گذرنے والے کے دل و دماغ کو معطر کردیتی تھی۔ (حضرت جابرؓ۔ دارمی)

☆ رنگ چمکدار' ہتھیلیاں کشادہ وفات کے وقت کنپٹی اور داڑھی مبارک کے چند بال سفید۔ (حضرت انسؓ۔ مسلم باب صفۃ النبیؐ)

شاعر رسالت حضرت حسان رضی اللہ عنہ:

وَأَحسَنُ مِنكَ لَم تَرَ قَطُّ عَينِي
وَأَجمَلُ مِنكَ لَم تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقتَ مُبَرَّأً مِّن كُلِّ عَيبٍ
كَأَنَّكَ خُلِقتَ كَمَا تَشَاءُ

(دیوان حسان)

''میری آنکھ نے آپ ﷺ سے زیادہ کوئی خوبصورت نہیں دیکھا اور کسی مامتا نے آپ ﷺ سے زیادہ حسین وجمیل بچے کو جنم نہیں دیا۔ آپ ﷺ ظاہری اور باطنی نقائص سے پاک پیدا کیے گئے گویا کہ خالق کائنات نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی تمنا کے مطابق پیدا کیا ہے۔

☆☆☆

آپ ﷺ کا شرفِ اعظم

دنیا میں فقط ایک ہی انسان اعظم ہیں جس کی ہر ادا اور انداز کو انسانیت کا آئینہ اور تہذیب و تمدن کا بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ خوشی، غمی، جلوت، خلوت، پبلک زندگی ہو یا پرائیویٹ۔ ہر لمحہ اور ہر وقت آپ کی ذات مقدسہ دنیا کے باسیوں کے لیے بہترین نمونہ اور معیار قرار پائی۔ اللہ کے آخری کلام میں اس معیار حیات کو ان الفاظ کے ساتھ میزان عمل قرار دیا گیا ہے۔

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ﴾ (الاحزاب: ٢١)

''بلاشبہ اللہ کے رسول تمہارے لیے بہترین نمونہ ہیں خاص کر اس شخص کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن کا خیال رکھنے والا ہے۔''

آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ دنیا اور آخرت کی کامیابی کی ضمانت فراہم کرتا ہے اس لیے آپ ﷺ کے رفقائے کرام آپ ﷺ کی چھوٹی اور بڑی بات کو یکساں حیثیت سے دیکھتے اور اختیار کرتے تھے ان کو یہ تقسیم ہرگز گوارا نہ تھی کہ آپ ﷺ کی حیات پاک کو اس طرح دیکھا جائے کہ یہ اہم پہلو ہے یا عام! وہ تو آپ ﷺ کی محبت اور اسوہ گرامی کو کامل والہانہ جذبے کے ساتھ ہی اپنایا کرتے تھے۔ آج کا مسلمان آپ ﷺ سے محبت والفت کے ہزار دعووں کے باوجود جن امور کو چھوٹے بڑے کی تقسیم اور دوسروں سے مرعوب ہو کر چھوڑ بیٹھا ہے آپ ﷺ کے جلیل القدر ساتھی آپ کے ہر عمل کو احترام و اکرام اور اطاعت و اتباع کے دائرہ میں لازم سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی مملکت کے ایرانی فرمانروا سے مذاکرات کے دوران حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ایک دستر خوان پہ بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے کہ ان کے ہاتھ سے کھانے کا ایک ذرہ دستر خوان پہ گر پڑا جب وہ اس کو اٹھا کر کھانے لگے تو ساتھی نے اشارہ کیا کہ ایسا نہ کیجیے کیونکہ یہ ان کی

تہذیب کے معیار پر نہیں اترتا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بھرپور اعتماد کے ساتھ فرمانے لگے کہ میں ان احمقوں کی وجہ سے آپ ﷺ کے کلچر اور تہذیب کو نہیں چھوڑ سکتا مجھے ہر حال آپ ﷺ کے طریقے کو اختیار کرنا ہے۔

(اَاَتْرُكُ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِهٰؤُلَآءِ السُّفَهَآءِ) (ابن ابی شیبہ)

''کیا میں ان بے وقوفوں کے لیے آپ ﷺ کے کلچر کو چھوڑ دوں۔''

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ مکے میں مسلمانوں کی نمائندگی کر رہے تھے جب وہ اپنے چچازاد بھائی سعید بن ابان رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرے اور صبح لباس تبدیل کرتے ہوئے انہوں نے تہبند کو ٹخنوں سے اوپر رکھا تو ان کے چچازاد نے ازراہ ہمدردی یہ مشورہ دیا کہ میرے عم زاد آپ کی قوم کا یہ کلچر نہیں ہے یہاں کے لوگ ٹخنوں سے اوپر تہبند رکھنے والے کو حقیر سمجھتے ہیں۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر اپنے تہذیب وتمدن کی ترجمانی کی۔

(هٰكَذَا اِزَارُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ) (ابن ابی شیبہ)

''میرے آقائے گرامی ﷺ ٹخنوں کے اوپر تہبند باندھا کرتے ہیں۔''

آج امت مسلمہ کی حالت یہ ہے کہ عوام الناس اسلامی اقدار کو بوجھ تصور کرتے ہوئے اسلام سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ جبکہ دین دار طبقہ اجر وثواب کی ترغیب اور اپنے ذاتی اور گروہی مفادات اور امتیازات کی خاطر سینکڑوں باتیں نبی پاک ﷺ کے حوالے سے دین میں شامل کر کے عبادات سے لیکر معاملات کو بوجھل بنائے جا رہے ہیں۔ حالانکہ آپ ﷺ کے رفقائے گرامی اس بات کو نہایت ہی ناپسند گردانتے تھے کہ جو بات یا مسئلہ آپ ﷺ سے ثابت نہیں اسے اجر وثواب سمجھ کر اختیار کیا جائے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

(مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ)

(مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب و السنۃ)

''جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ ناقابل

قبول ہو گی۔"

کیونکہ اس طرح آسان دین مشکل ترین شکل اختیار کر جائے گا اسی وجہ سے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نماز عید سے قبل عید گاہ میں نفل ادا کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ کے ہاں اس بات کی پکڑ ہو گی تو اس نے کہا کہ نماز پڑھنے پر مجھے عذاب ہو گا؟ جناب علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز کی وجہ سے نہیں سنت کے برخلاف کرنے پر۔ کیونکہ عید گاہ میں عید سے پہلے آپ ﷺ سے نفل پڑھنے ثابت نہیں۔ (البدایہ والنہایہ)

یہی وہ معیار زندگی ہے جس کے بارے میں قرآن اس طرح احکامات جاری کرتا ہے۔

(لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ) (الحجرات: ۱)

اور تم اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت بڑھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

﴿وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ (الحشر: ۷)

"اور جو تمہیں رسول عطا کریں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔"

والہانہ وارفتگی

جس طرح گلاب کی رنگت و خوشبو دیکھنے اور سونگھنے والے کا دل بہلاتی ہے جیسے پروانہ روشنی کو دیکھ کر اپنے وجود پر قابو نہیں پاتا۔ ہاں! جس طرح پر فیوم غیر محسوس انداز میں دل و دماغ پر گرفت کرتی چلی جاتی ہے اس سے ہزار گنا بڑھ کر آپ ﷺ کی ذات اور بات کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعلق خاطر اور اطاعت کا رشتہ قائم تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ کے وجود پاک اور گفتار و کردار میں ایسا جذب و اتصال اور جمال و کمال تھا کہ آپ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے مدت بعد بھی جب کسی آپ ﷺ کے رفیق کار سے استفسار ہوتا کہ آپ ﷺ کی زندگی کے فلاں زاویے کا کیا انداز تھا؟ تو صحابی رضی اللہ عنہ کے دل میں متلاطم جذبات محبت

اس طرح پھوٹ پڑتے کہ وہ والہانہ محبت وعقیدت کے ساتھ اس واقعے کو جذباتی کیفیات اور جزئیاتی تفصیلات سے بیان کیے بغیر نہ رہ سکتا۔

حضرت عبد رضی اللہ عنہ نے اپنے والد گرامی سے سوال کیا آپ نے نبی محترم ﷺ کی زیارت کی ہے تو جناب اقرم رضی اللہ عنہ بڑی والہانہ وارفتگی کے ساتھ چشم دید واقعہ کی جزئیات بیان کرتے چلے گئے ان کا کہنا ہے کہ میں اپنے والد کے ساتھ عزا کے مقام پر کھیتی باڑی میں مصروف تھا۔ اچانک ہم دیکھتے ہیں کچھ دور ایک قافلہ پڑاؤ ڈال رہا ہے تھوڑی دیر کے بعد قافلے کے لوگ نماز ادا کرنے لگے ہیں اور میرے والد محترم اس قافلے کی طرف لپکے تو اچانک کیا دیکھتے ہیں سرور دو عالم امامت کروا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے احرام باندھا ہوا تھا جس کی وجہ سے سجدہ کی حالت میں، میں نے آپ ﷺ کی بغلوں کے قریب بازوؤں کی سفیدی دیکھی اس منظر کو میں اب بھی اس طرح ہی اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ (طبقات ابن سعد)

آپ کے عظیم ترین ساتھی خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب آپ ﷺ کا ذکر گرامی کرتے تو ان کی حالت غیر ہو جایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ منبر رسول ﷺ پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو اچانک ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے میں نے پچھلے سال رسول معظم ﷺ سے یہ الفاظ سنے تھے۔ یہ الفاظ پوری طرح ادا نہیں کر پائے تھے کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ ایسی ہی محبت رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کو جب مکہ سے دیس نکال دیا گیا تو وہ مسجد نبوی میں قائم دنیا کی پہلی جامعہ میں شاملِ تعلیم ہوئے۔ اس حالت میں کہ انہوں نے دو ٹاٹ لپیٹے ہوئے تھے انکے ایک پرانے آشنا نے سوال کیا کہ بھائی عبداللہؓ میں نے مکہ میں آپ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ صبح وشام لباس بدلا کرتے تھے بتائیے کہ زندگی کا وہ دور بہتر تھا یا یہ فقیرانہ حالت انہوں نے جذبات محبت میں آ کر وہ الفاظ ادا کیے جن کی قیمت دنیا وجہاں

کے خزانوں سے ادا نہیں ہو سکتی۔

(وَاللّٰهِ نَظْرَةٌ مِنْ مُّحَمَّدٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا)

"کائنات کے رب کی قسم! آپ ﷺ کا ایک لمحے کا دیدار دنیا و مافیہا کے خزانوں سے بہتر ہے۔"

قرآن و حدیث میں آپ ﷺ کیساتھ ایسی ہی الفت و عقیدت کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۝﴾ (توبہ ۲۴۔پ ۱۰)

"اے نبی لوگوں کو فرما دیجیے! اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، رشتے دار، مال جو تم نے کمایا، تجارت جس کے نقصان کا تمہیں خدشہ ہے اور تمہارے خوشنما گھر تمہیں اللہ، اس کے رسول اور اس کے رستے میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں تو اللہ کے عذاب کا انتظار کرو اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتے۔"

اور آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

(وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ) (مشکوٰۃ کتاب الایمان)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک مجھے اپنے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے عزیز نہ جانو گے۔"

☆☆☆

سعادتِ دو جہاں کی گارنٹی

نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور آپ ﷺ کے اندازِ زندگی کو دنیا اور آخرت کا جمال وکمال اس دنیا وجہاں میں فوائد وثمرات اور آخرت میں دائمی نعمتوں کا بدل قرار دیتے ہوئے خالق ومخلوق میں قربتوں اور محبتوں کا مظہر قرار دیا گیا۔ایک طرف آخرت کی کامیابی کی گارنٹی اور اس عمل کے دوسرے سرے کے ساتھ دنیا کی فلاح و بہبود منسلک کر دی گئی۔ اس رشتہ اطاعت کو حبل اللّٰہ کی مضبوط رسی کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے کیونکہ اس راہ پر چلنے والے اللہ کے کرم وفضل کے حقدار اور اس کی عطاؤں کے سزاوار بن جاتے ہیں۔

یہ اللہ تعالی کے لامحدود فضل وکرم کا ثمرہ ہے کہ مرد مومن کو دنیا کی بہتری کے ساتھ آخرت کے سنوار کا عطیہ بخشا گیا ہے انسان اگر غور وفکر کے دریچوں میں جھانک کر اپنے افکار وکردار کا جائزہ لے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ جو کام کرنے میں وہ اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہے اگر وہ اپنی فکر کو رضائے الٰہی کے پیمانے کے مطابق اور عمل کو نبی اکرم ﷺ کی اتباع کے ترازو کے موافق کر لے تو اس کی دنیا بہتر اور جہاں لامتناہی بہترین شکل وصورت میں اس کا منتظر ہوگا۔

ان حقائق سے آگہی کے لیے غور کیجیے کہ آرام کرنا ہر انسان کی جبلی حاجت ہے۔ نیند کے بغیر آدمی کی آنکھیں پھٹ جائیں اور جسم اکڑ کر رہ جائے گویا کہ آرام کرنا ہر کسی کی فطرت کا تقاضا ہے ایک سرا میں کئی مسافر سو رہے ہیں لیکن بندہ مومن عشاء کی نماز پڑھ کر اس نیت ونظریے کے ساتھ بستر پر لیٹتا ہے کہ سویرے اٹھ کر نمازِ صبح ادا کی جائے گی پھر نیند کی آغوش میں جانے سے پہلے وہ آقا ﷺ کی سنت مبارکہ کو سامنے رکھ کر کچھ دعائیں اور اذکار کرتے ہوئے دائیں کروٹ لیٹ جاتا ہے یہ مسلمان بھی نیند کے مزے لے رہا ہے اور اس کے قریب لیٹا ہوا خدا کا نافرمان بھی خراٹے مار رہا ہے مگر اس کے سونے میں زمین وآسمان کا تفاوت پایا جاتا ہے۔

اس کے بارے میں سرور دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ایک روح قدسی کو مقرر فرماتے ہیں کہ جب تک یہ میرا بندہ سویا رہے گا پورے اہتمام کے ساتھ اس کے سانس کی آمدورفت اور اس کی کروٹوں کو نیکی اور سعادت مندی میں شمار کرتے چلے جاؤ۔ اسی طرح ہی لباس کی تبدیلی اور غسل کرنا ہر آدمی کی مجبوری اور ضرورت ہے مگر نبی اکرم ﷺ کے انداز زندگی کو اپنانے والا غسل کرنے کا وہی انداز اختیار کرے گا جو آپ ﷺ کی ذات مقدسہ نے اختیار فرمایا جبکہ دوسری طرف اس مقدس تہذیب سے بے خبر شخص بہترین صابن، قیمتی شیمپو اور نفیس ترین غسل خانے میں دیر تک غسل کرنے کے بعد لباس فاخرہ زیب تن کر رہا ہے اس کی شان وشکوہ اور اُس کے غسل اور تبدیلی لباس میں بظاہر بہت بڑا فرق دکھائی دے رہا ہے لیکن آپ ﷺ کی تہذیب وتمدن اور طرز حیات کو نہ اپنانے کی وجہ سے یہ دنیا اور آخرت کی سعادتوں سے محروم رہا اور وہ اس فکر و عمل کی وجہ سے جب تک یہ لباس پہنے رکھے گا اس کو عبادت وریاضت میں شمار کیا جائے گا قرآن مجید نے اس فلسفۂ حیات کو ایک دعائیہ انداز میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾(البقرة: ۲۰۰'۲۰۱)

''انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں ہی بھلائی دے دیجیے اور ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اس طرح کے بھی آدمی موجود ہیں جو دعا مانگتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا وآخرت کی بھلائیاں عطا فرماتے ہوئے آخرت کے عذاب سے بچائے رکھنا۔''

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں
کرگس کا جہاں اور شاہین کا جہاں اور

☆☆☆

استراحت وآغاز صبح

نیند اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔ایک تھکا ماندہ انسان جب تھوڑی دیر کے لیے سو جائے تو نہ صرف اس کی ذہنی اور جسمانی تھکان دور بلکہ اس کی قوت کار بحال اور تازہ دم ہو جاتی ہے۔حتیٰ کہ نیند سے بڑے سے بڑا صدمہ بھی ہلکا ہو جاتا ہے۔ نیند قدرت کا ایک ایسا عطیہ ہے جس کے ادراک کے لیے اس شخص کو دیکھیے جو بے خوابی کی وجہ سے بستر پر کروٹ پہ کروٹ لیتا ہے' مگر نیند پھر بھی نہیں آتی۔اس کی آنکھیں پھٹ اور اعصاب تن جاتے ہیں۔جسم اندر سے چور چور ہونے لگتا ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے نیند کو اپنے نشاناتِ قدرت میں سے شمار کیا ہے۔

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ ﴾ (الروم: ٢٣)

''اس کی نشانیوں میں سے ایک تمہارا رات کو سونا بھی ہے۔''

پھر انسان کو نیند ہی کی نعمت سے نہیں نوازا بلکہ رات کو تاریک چادر اوڑھا کر سکون کا دامن قرار دیا تاکہ انسان دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر راحت پا سکے۔اسی بناء پر نیند کو موت سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ کتنے ہی لوگ تھے جو صبح اٹھنے کے لیے سوئے مگر قیامت سے پہلے اٹھنا نصیب نہ ہوا۔اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو نیند کے حوالے کرنے سے پہلے مالکِ حقیقی کے مقدس نام اور نبی اکرم ﷺ کے معمولات کا خیال رکھے تاکہ اس کا عشاء سے صبح تک آرام کرنے کا ایک ایک لمحہ عبادت میں شمار ہو جائے۔

شب باشی اور اذکار

آپ ﷺ بعض اوقات رات دیر تک قومی اور گھریلو معاملات پر اجلاس کرتے۔البتہ بے وجہ عشاء کے بعد جاگنا آپ ﷺ کو ہرگز پسند نہ تھا کیونکہ اس سے صبح اٹھنے میں سستی کا اندیشہ اور صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔آپ ﷺ سونے سے پہلے مسواک اور وضو کرتے' بعض

دفعہ سر پر تیل لگا کر ٹوپی پہنتے تاکہ بستر کو چکناہٹ نہ لگ جائے' اکثر رات کو آنکھوں میں سرمہ ڈالتے' بستر کی شکنیں دور فرماتے اور قرآنِ پاک کی کچھ سورتیں پڑھتے ہوئے دعاؤں کے ساتھ دائیں کروٹ لیٹتے تاکہ دل پر بوجھ نہ پڑے۔

قرآن پاک کی آخری تین سورتیں تین تین بار پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونک مار کر تین دفعہ چہرے اور جہاں تک ممکن ہوتا جسم پر ہاتھ پھیرتے۔(مشکوٰۃ باب فضائل القرآن)

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌo اَللّٰهُ الصَّمَدُo لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْo وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌo ﴾ (اخلاص۔ پ ۳۰)

''کہہ دیجیے وہ اللہ ایک ہے۔اللہ بے نیاز ہے۔نہ اس نے خود کسی کو جنم دیا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ ہی اس کا کوئی ہم سر اور شریک ہے۔''

﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِo مِنْ شَرِّ مَاخَلَقَo وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَo وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِo وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴾

(الفلق۔ پ ۳۰)

''(اے نبیؐ) کہہ دیجیے میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی' ہر چیز کی برائی سے جو اس نے بنائی ہے' اندھیرے کے نقصان سے جب وہ سمٹ آئے اور ان عورتوں کی برائی سے جو گرہوں میں پھونک ماریں اور بدخواہ کی برائی سے جب وہ بدخواہی پر اتر آئے۔''

﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِo مَلِكِ النَّاسِo اِلٰهِ النَّاسِo مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِo الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِo مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِo ﴾

(الناس۔پ ۳۰)

''(اے نبیؐ) کہہ دیجیے میں پناہ چاہتا ہوں لوگوں کے رب' بادشاہ اور معبود کی چھپ کر نقصان پہنچانے والے سے' اس بدی سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرے جنوں میں سے اور انسانوں میں سے۔''

اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سوتے وقت یہ وظیفہ بھی بتلایا:

۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۳۳ بار سُبْحَانَ اللّٰہ اور ۳۴ دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آیۃ الکرسی پڑھنے کے لیے فرمایا کہ اس سے حفاظت کے لیے ایک فرشتہ مامور ہو جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ باب فضائل القرآن)

اور یہ دعا بھی پڑھا کرتے:

(اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَ اَحْيٰ) (بخاری کتاب التوحید)

"اے اللہ! میں تیرے نام سے سونے لگا ہوں اور آپ کے نام کی برکت سے ہی اٹھ سکوں گا۔"

اسی طرح عشاء کے بعد سورۂ ملک اور سورۂ سجدہ تلاوت فرماتے اور ان کے فوائد ذکر کرتے ہوئے فرماتے کہ آدمی قبر کے عذاب سے محفوظ ہو جائے گا۔

(مشکوٰۃ باب فضائل القرآن)

کروٹ بدلتے وقت جاگتے تو کچھ نہ کچھ اللہ کا ذکر ضرور کرتے۔ نیند نہ آنے کی صورت میں یہ دعا پڑھتے:

(اَللّٰھُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمُ وَ ھَدَأَتِ الْعُيُوْنُ وَ اَنْتَ حَیٌّ قَيُّوْمٌ يَا حَیُّ يَا قَيُّوْمُ اَھْدِ لَيْلِيْ وَاَنِمْ عَيْنِيْ) (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی)

"اے اللہ! ستارے ڈوبنے لگے ہیں اور لوگ آرام کر رہے ہیں جبکہ آپ تو زندہ اور قائم ہیں۔ اے زندہ اور قائم! مجھے رات کا سکون اور نیند کی نعمت سے ہمکنار فرما۔"

نیند میں ڈرنے والے کو تلقین فرمائی کہ یہ کلمات پڑھ کر دل کی جانب پھونک دے۔

(اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَ عِقَابِهٖ وَ مِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَرَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ)

(مشکوٰۃ باب الاستعاذۃ)

"میں کامل کلمات کے ساتھ اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس کے غصے اور لوگوں کے شر شیطانوں کے وسوسوں اور ان کی حاضری سے۔"

خواب کی حقیقت

خواب ایک حقیقت ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے انبیاء کے خواب کو نبوت کا چالیسواں حصہ قرار دیا ہے۔ انبیاء کے علاوہ کسی نیک سے نیک آدمی کا خواب بھی کسی کے لیے حجت اور دلیل نہیں بن سکتا اور نہ ہی خواب کی بنیاد پر کسی آدمی کو کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا۔ کیونکہ خواب کا انسان کی صحت اور اس کے ساتھ ہونے والے حالات وواقعات کے ساتھ گہرا تعلق ہے جس قسم کے ماحول اور حالات سے آدمی گزر رہا ہو شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کے اثرات انسان کے ذہن پر مرتب ہوتے ہیں اور اکثر اوقات وہ نیند میں خواب کی صورت اختیار کر جاتے ہیں اس لیے نبی اکرم ﷺ خواب دیکھنے والوں کو یہ ہدایات جاری فرمایا کرتے تھے۔ جب کسی کو خواب آئے تو وہ ایسے شخص کے سامنے اس کا ذکر کرے جس کو خواب کی تعبیر کا ملکہ حاصل ہو۔

دوسرے شخص کے سامنے خواب بیان کرنے سے روک دیا گیا۔ کیونکہ تعبیر کا علم نہ رکھنے کی وجہ سے وہ اوٹ پٹانگ باتیں کرے گا جس سے خواب دیکھنے والا مزید پریشان ہو جائے گا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ان الجھنوں سے بچنے کے لیے امت کو آسان ترین طریقہ بتلایا ہے کہ جب کسی کو برا خواب آئے جاگ آتے ہی اللہ کی بارگاہ میں اس کے شر سے بچنے کی دعا کرے۔ اور اگر خواب میں بہتر صورت حال دیکھے تو اسکے حصول کے لیے بارگاہ پروردگار میں درخواست پیش کرے کہ اے اللہ! اس خیر کو جلد از جلد میرے نصیبے میں لکھ دیجیے۔

شب زندہ داری کے روحانی‘ جسمانی ثمرات و برکات

سحری کا وقت حاجات ومناجات اور سکون واطمینان کے لیے ایسا وقت ہے کہ لیل ونہار کا کوئی لمحہ ان لمحات کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ زمین وآسمان کی وسعتیں نورانی کیفیت سے لبریز دکھائی دیتی ہیں۔ ہر طرف سکون وسکوت انسان کی فکر ونظر کو جلا بخشنے کے ساتھ خالقِ حقیقی کی

طرف متوجہ کررہا ہوتا ہے۔ ایک طرف رات اپنے سیاہ فام دامن میں لے کر ہر ذی روح کو سلائے ہوئے ہے اور دوسری طرف بندۂ مومن اپنے خالقِ حقیقی کی بارگاہ میں پیش ہونے کے لیے کروٹیں بدلتا ہوا اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ کہیں نیند کی غفلت میں یہ پرنور لمحات گذر نہ جائیں۔ وہ ٹھنڈی راتوں میں یخ پانی سے وضو کر کے رات کی تاریکیوں میں لرزتے ہوئے وجود اور کانپتی ہوئی آواز کے ساتھ شکر و حمد اور فقر و حاجت کے جذبات میں زار و قطار روتا ہوا فریاد کناں ہوتا ہے۔ وہ آنسوؤں کے قطروں سے اس طرح اپنی ردائے حیات کو دھو ڈالتا ہے کہ اس کا دامن گناہوں کی آلودگی سے پاک اور وجود دنیا کی تھکن سے ہلکا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ طویل ترین قیام اور دیر تک رکوع و سجود میں پڑا رہنے سے تہجد بندۂ مومن کو ذہنی اور جسمانی طور پر طاقت و توانائی سے ہمکنار کر دیتی ہے۔ اگر وہ خورد و نوش میں مسنون طریقوں کو اپنائے تو اس کو کسی قسم کی سیر و سیاحت حتیٰ کہ معمولی ورزش کی حاجت بھی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کی اس صفت کا اس طرح تذکرہ فرماتے ہیں:

﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ ﴾ (السجدہ: ١٦)

"وہ اپنے بستروں سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے اور جو ہم نے انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔"

﴿ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ○ ﴾ (المزمل: ٦)

"حقیقتاً رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے اور قرآن پاک پڑھنے کے لیے موزوں ترین وقت ہے۔"

﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ○ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ○ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ ﴾ (الذاریات: ١٥ تا ١٧)

"یقیناً متقی لوگ اس دن باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ جو کچھ ان کا رب

انہیں عطا کرے گا وہ بڑی خوشی کے ساتھ لے رہے ہوں گے۔ وہ اس دن کے قائم ہونے سے پہلے نیک اعمال کیا کرتے تھے۔ راتوں کو کم ہی سویا کرتے تھے اور رات کے پچھلے حصے میں اللہ کے حضور معافی مانگتے تھے۔''

(عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ) (مشکوٰۃ باب صیام التطوع)

''جناب ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا فرض نماز کے بعد افضل ترین نماز وہ ہے جو درمیانی رات ادا کی جائے۔''

(عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰی كُلَّ لَیْلَةٍ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا حِیْنَ یَبْقٰی ثُلُثُ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ یَقُوْلُ مَنْ یَدْعُوْنِیْ فَاَسْتَجِیْبَ لَهُ مَنْ یَّسْاَلُنِیْ فَاُعْطِیَهِ مَنْ یَّسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُ لَهُ) (مشکوۃ باب التحریض علی قیام اللیل)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رب تعالیٰ رات کے آخری حصے میں آسمانِ دنیا پر تشریف لا کر فرماتے ہیں کون ہے مجھے پکارنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں اور کون ہے مجھ سے طلب کرنے والا میں اسکو عطا کروں اور کون ہے جو مجھ سے بخشش اور مغفرت چاہے میں اس کو بخشتا چلا جاؤں۔''

(عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّیْلِ اِفْتَتَحَ الصَّلٰوةَ بِرَكْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ) (مشکوٰۃ باب صلاۃ اللیل)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول پاک ﷺ جب رات کو نماز تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھا کرتے۔''

☆☆☆

تہجد کی رکعات

(عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ) (مشکوٰۃ باب صلاۃ اللیل)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ نبی محترم ﷺ رات کو تیرہ رکعتیں نماز ادا کرتے جن میں وتر اور فجر کی دو سنتیں بھی شامل ہوا کرتی تھیں۔''

کبھی وقت اور طبیعت کی بنا پر اس سے کم رکعات پڑھنا بھی ثابت ہیں۔

نماز تہجد کی قضا

(عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَافَاتَتْهُ الصَّلٰوةُ مِنَ اللَّيْلِ مِنْ حَرَجٍ اَوْ غَيْرِهٖ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً)

(مشکوٰۃ باب القصد فی العمل)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اگر نبی محترم ﷺ تہجد کی نماز کسی مجبوری یا عذر کی بناء پر نہ پڑھ سکتے تو پھر آپ ﷺ دن کو بارہ رکعات ادا کرتے۔''

(عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ اَوْعَنْ شَيْئٍ مِّنْهُ فَقَرَاَهُ فِيْمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهٗ كَاَنَّمَا قَرَاَهُ مِنَ اللَّيْلِ) (مشکوٰۃ باب القصد فی العمل)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ فرمایا کرتے تھے جس شخص کا نیند کی وجہ سے کوئی ذکر یا اس کا کچھ حصہ رہ جائے وہ نماز فجر کے بعد ظہر سے پہلے ادا کرے۔ اس کے نامہ اعمال میں رات جیسا عمل ہی لکھا جائے گا۔''

نماز تہجد پڑھنے کی کیفیت

نبی اکرم ﷺ تہجد کی پہلی دو رکعتیں نسبتاً ہلکی پڑھتے اور بعد ازاں آپ ﷺ کے قیام

وسجود کی حالت یہ ہوتی کہ بسا اوقات آپ ﷺ کے قدم پھول جاتے۔

(مشکوٰۃ باب التحریض علی قیام اللیل)

پھر نماز میں اس طرح بے ساختہ زار وقطار روتے کہ ہچکی بندھ جاتی۔ دیکھنے والا یوں محسوس کرتا جیسے چولہے پر ہنڈیا کھول رہی ہو۔ کبھی یوں ہوتا کہ ایک رکعت میں ایک ہی آیت بار بار تلاوت کرتے اور روتے چلے جاتے۔ ایسے لگتا کہ آپ ﷺ اللہ تعالی کی جلالت و جبروت اور قوت وسطوت کے خوف سے زمین پر گر جائیں گے۔

☆☆☆

- ☆ سونے کے وقت مسواک' وضو' مسنون دعائیں اور کچھ نہ کچھ قرآن کی تلاوت کیجیے۔
- ☆ ہر کسی سے خواب کا تذکرہ نہیں کرنا چاہیے۔
- ☆ جاگ آ جائے تو برا خواب دیکھنے کے وقت کروٹ بدلیے۔ اعوذ باللہ پڑھ کر بائیں جانب سینے پر ہلکا سا تھو کیے اور اللہ سے اس کے منفی اثرات سے پناہ مانگیے۔
- ☆ نماز تہجد کی عادت ڈالیے' علی الصبح رب کے حضور اٹھیے اور دعا مانگیے۔
- ☆ نماز تہجد جسمانی صحت اور روحانی بلندیوں کا زینہ ہے۔
- ☆ جلد سونا اور جلد اٹھنا آپ ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔
- ☆ بے مقصد راتوں کو جاگنا صحت اور دین کے لیے نقصان دہ ہے۔

☆☆☆

طہارت ونظافت

مسلمانوں کے علاوہ دنیا کے دوسرے مذہبی گروہوں میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ عبادت گزار نہانے دھونے سے جس قدر دور رہے گا اسی قدر وہ اللہ کے مقرب بندوں میں شامل ہوتا چلا جائے گا۔ آپ ﷺ جس خطہ زمین میں پیدا ہوئے وہ پانی کی قلت کے اعتبار سے دنیا کے خشک ترین علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔ سنگلاخ زمین' پوٹھوہار کا علاقہ اور خشک ترین پہاڑ جن کی چوٹیاں دوپہر کے وقت زمین پر آگ کے گولے برساتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ اسلام نے طہارت و پاکیزگی' صفائی اور ستھرائی کو اس قدر اہمیت دی کہ وحی کے بالکل ابتدائی احکامات میں آپ ﷺ کو توجہ دلائی گئی کہ جس ذات اطہر سے آپ ﷺ نے رابطہ رکھنا اور جس ذمہ داری کو آپ ؐ نے اٹھانا ہے اسکے اولین تقاضوں میں سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ اپنے آپ کو پاک صاف رکھنا ہوگا۔

﴿ يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُo قُمْ فَاَنْذِرْo وَرَبَّكَ فَكَبِّرْo وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْo وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْo ﴾ (المدثر: ۱ تا ۵)

''اے چادر لپیٹنے والے! اٹھیں اور لوگوں کو خبردار کریں' اپنے رب کی کبریائی کا اعلان کیجئے' اپنے کپڑے پاک رکھئے اور گندگی سے بچے رہئے۔''

کیونکہ آپ ﷺ نے انسان کو ہر اعتبار اور سمت سے پاک صاف بنانے کی کوشش کرنا ہے اس لیے آپ ﷺ کو صفائی اور طہارت کے ارفع ترین درجے کو اختیار کرنا ہوگا۔ پھر دینِ حق فقط روح وبدن کی پاکیزگی پر توجہ نہیں دیتا وہ تو طہارت ونفاست کے تصور کو وسعت دیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیتا ہے:

((اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ)) (مسلم۔ کتاب الطهارة)

''پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے۔''

اس لیے وہ ہر زاویہ نگاہ سے انسان کو پاک صاف دیکھنا پسند ہی نہیں کرتا بلکہ پاک رہنا خدا کی محبتوں کا مرکز قرار دیتا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (البقرہ: ۲۲۲)

"بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔"

اسلام روح وبدن' رہن سہن حتیٰ کہ بالوں کی تراش خراش کے بارے میں ہدایات جاری کرتے ہوئے مسلمانوں کو مکمل تہذیب وتمدن کے ڈھانچے میں فٹ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

غسل اور استنجا کا طریقہ

واجب اور ضروری غسل کے لیے آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا اس زمانے میں نلکا اور ٹونٹیوں کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ برتن سے الگ ہاتھ دھوتے' پھر استنجا کرتے اور استنجا کے بعد نماز جیسا وضو فرماتے بعد ازاں تین دفعہ سر مبارک پر پانی ڈالتے ہوئے غسل فرماتے۔

نوٹ: نارمل حالات میں پورے جسم پر ہاتھ لگ جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔

صاف ستھرا لباس

آپ ﷺ کے مزاج گرامی میں انتہا درجے کی نفاست پسندی تھی سادہ اور معمولی لباس' قطع وبرید' رنگ ڈھنگ اور پہننے کے انداز سے آپ ﷺ بے پناہ خوبصورت اور نفیس ترین شہزادے نظر آتے تھے اور اسی نفاست پسندی کو آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے پسند فرمایا' جس طرح آپ ﷺ مسلمانوں کے کردار وافکار میں پاکیزگی پسند فرماتے تھے اسی طرح ہی رہن سہن اور لباس میں بھی نفاست اپنانے کی تلقین کرتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ ایک آدمی آپ ؐ کے سامنے میلے اور پراگندہ لباس میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تجھے کپڑے دھونے کے لیے صابن میسر نہیں ہے؟

(عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَائِراً فَرَاٰى رَجُلاً شَعْثاً قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُهُ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يُسَكِّنُ بِهِ رَأْسَهُ رَاٰى رَجُلًا

عَلَيْهِ ثِيَابٌ وَسِخَةٌ فَقَالَ مَاكَانَ يَجِدُ هٰذَا مَايَغْسِلُ بِهِ ثَوْبَهُ؟)
(مشکوٰۃ۔ کتاب اللباس)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جس کا لباس گندا اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا اس شخص کو ایسی کوئی چیز میسر نہ تھی کہ جس سے یہ اپنے بال ٹھیک کر لیتا؟ اور پھر دوسرا آدمی جس نے گندا لباس پہنا ہوا تھا فرمایا کیا اس کے پاس کچھ بھی نہیں کہ جس سے یہ اپنے کپڑے دھو لیتا؟''

پاک جسم

جس طرح روح و بدن لازم و ملزوم ہیں اگر روح کرب میں مبتلا ہو تو جسم صحیح ہونے کے باوجود ٹوٹ پھوٹ اور کرب کا شکار ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح جسمانی تکلیف کے وقت روح مضطرب ہو جاتی ہے۔ یعنی روح اور جسم ایک دوسرے کے دکھ اور درد کو یکساں محسوس کرتے ہیں۔ یہی کیفیت ظاہری اور باطنی طہارت و کثافت کی ہے۔ جسمانی طور پر گندا رہنے والا روحانی اور فکری آسودگی سے پوری طرح لذتِ آشنا نہیں ہو سکتا۔ روح و فکر میں پراگندگی ہو تو جسمانی صفائی کی طرف طبیعت آمادہ ہی نہیں ہوتی۔ اگر وہ نہا دھو بھی لے تو صفائی کے اثرات سے روح لطف و لطافت محسوس نہیں کرتی۔ اسی لیے ملت اسلامیہ کو جسمانی اعتبار سے پاک صاف رکھنے کے لیے نماز سے پہلے طہارت اور وضو کو فرض ٹھہرایا گیا ہے۔

(لَاتُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ) (مشکوٰۃ باب مایوجب الوضوء)

''وضو کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔''

حکومتیں اور قومیں لاکھوں کروڑوں خرچ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ پائیں کہ لوگوں میں صفائی کو رواج دینے کے لیے سال بھر میں کچھ دن صفائی کے لیے مقرر کیے جائیں۔ جبکہ نبی محترم ﷺ نے صفائی اور صحت کے لیے پانچ وقت وضو کے علاوہ ہفتہ وار غسل کو لازم قرار دے دیا۔ ہوا یوں کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے مسجد میں تشریف

لائے تو آتے ہی ایک تعفن محسوس کیا۔ کثرت ہجوم اور شدت گرمی کی وجہ سے نمازی پسینے میں شرابور تھے تبھی سے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جمعے کے روز ہر نمازی کے لیے غسل کرنا لازمی ہے۔

(حَقًّا عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اَنْ يَغْتَسِلُوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ)(مشکوٰۃ باب الغسل)

''مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ جمعہ کو غسل کریں۔''

چمک دار دانت

منہ کی صفائی' دانتوں کی صفائی کے بغیر ممکن نہیں۔ جتنے دانت صاف ہونگے اتنا ہی منہ بدبو سے پاک ہوگا۔ دانتوں کی صفائی کے لیے جہاں تک ہوسکتا آپ ﷺ تازہ مسواک کو ترجیح دیتے اور مسواک کرتے وقت جس قدر قوت برداشت ہوتی آپ ﷺ مسواک کو حلق کے اندر لے جاتے تاکہ گلے کی رگوں سے ہر قسم کی رطوبتیں خارج ہوجائیں۔ اس طرح دانتوں کی مضبوطی میں اضافہ اور معدے کے فاسد مادے خارج ہوتے ہیں۔ معدہ ہلکا محسوس ہونے لگتا ہے حلق' منہ اور دانتوں کی صفائی کا مقصد منجن اور ٹوتھ پیسٹ وغیرہ سے پوری طرح حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے مسواک کو لازم قرار نہیں دیا کیونکہ مقصد منہ کی صفائی ہے۔ اگر مسواک کو فرض قرار دیا جاتا تو لاکھوں کروڑوں کی آبادی میں مسواک حاصل کرنا ناممکن ہوجاتا۔ جبکہ بنیادی بات تو منہ کو صاف رکھنا ہے۔ دانتوں کی صفائی کا اس قدر اہتمام تھا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں جب بھی جرائیل امین علیہ السلام میرے پاس تشریف لاتے تو دوسری باتوں کے ساتھ اکثر مجھے اس طرف توجہ دلاتے کہ اے اللہ کے رسول! مسواک کا اہتمام جاری رکھیے۔ میں نے اس قدر مسواک کا استعمال شروع کیا کہ مجھے محسوس ہونے لگا کہ شاید میرا منہ زخمی ہوجائے گا۔

(لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ اُحْفِيَ مُقَدَّمَ فِيَّ) (مشکوٰۃ باب السواك)

''مجھے محسوس ہونے لگا کہ شاید میرا منہ زخمی ہوجائے گا۔''

آپ ﷺ کے علاوہ بھی مسواک کا استعمال فرماتے تھے۔ امت کے بارے میں فرمایا

کرتے تھے:

(عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا بِأَيِّ شَيْءٍ يَبْدَأُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ بَيْتًا قَالَتْ بِالسِّوَاكِ) (مشکوٰۃ باب السواک)

''حضرت شریح بن ہانی فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اللہ کے نبی ﷺ گھر میں داخل ہو کر پہلا کام کیا کرتے تھے؟ تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مسواک استعمال فرماتے۔''

(لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِيْ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ)

(مشکوٰۃ باب السواک)

''اگر میں اپنی امت پر بوجھ محسوس نہ کرتا تو میں ہر نماز کے ساتھ مسواک کو فرض قرار دے دیتا۔''

حتیٰ کہ جب آپ ﷺ اس دارِ فانی سے دارِ آخرت میں داخل ہو رہے تھے' شدید بخار اور انتہائی کمزوری کے عالم میں دیکھا کہ عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہ تازہ مسواک لیے کمرے میں داخل ہو رہے ہیں' نگاہِ پاک مسواک پر ٹک گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے بھائی سے مسواک لے کر آپ ﷺ کے حضور پیش کی جو آپ ﷺ نقاہت کی وجہ سے چبا نہ سکے تو میں نے اپنے دانتوں سے نرم کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں دوبارہ پیش کی۔ اس طرح میرا لعاب میرے آقا و سرتاج کے لعاب سے ملا اور یہ سعادت فقط میرے نصیبے میں آئی۔ (مشکاۃ باب وفاۃ النبیؐ)

بالوں کا سنوار

جیسا کہ میں عرض کر رہا ہوں کہ شریعت اسلامیہ نے مسلمانوں کو ایک مخصوص طرز زندگی اور منفرد تہذیب و ثقافت اپنانے کی تعلیم دی ہے۔ جس طرح لباس جسم و جثہ' دانت اور منہ کی صفائی کی اہمیت ہے' میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر شکل و صورت کا شرعی انداز اور وضع قطع کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے فطری اور طبعی حسن میں نکھار پیدا کرنا

مسلمانوں بالخصوص دینی طبقے کا فرض ہے۔ جبکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ چہرے پر داڑھی سجانے والے نوجوان یا بزرگ خدا کے عطا کردہ حسن و جمال کی پرواہ نہیں کرتے۔ داڑھی اور سر کے بال اس قدر الجھے ہوئے ہوتے ہیں کہ غیر مسلم تو درکنار مناسب دینی ذہن رکھنے والا نوجوان بھی داڑھی رکھنے کے لیے اپنے آپ میں آمادگی نہیں پاتا۔ ایسے ہی الجھے ہوئے بالوں والے شخص کو دیکھ کر نبی محترم ﷺ نے فرمایا تھا کہ تمہیں ان بالوں کو درست رکھنے کے لیے فرصت نہیں؟ بلکہ آپ ﷺ کی شیریں زبان میں اس قدر تلخی پیدا ہوگئی فرماتے ہیں کہ تم کس طرح ان الجھے ہوئے بالوں میں شیطان بنے پھرتے ہو۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ خود بھی خوبصورت ہیں اور خوبصورتی کو پسند بھی کرتے ہیں۔

(عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ ثَائِرُ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ فَاَشَارَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهٖ كَاَنَّهٗ يَاْمُرُهٗ بِاِصْلَاحِ شَعْرِهٖ وَلِحْيَتِهٖ فَفَعَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا مِنْ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ ثَائِرُ الرَّأْسِ كَاَنَّهٗ شَيْطَانٌ)

(مؤطا امام مالك)

''حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ نبی محترم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی بکھری ہوئی داڑھی اور پراگندہ سر کے ساتھ آپ ﷺ کے سامنے آیا۔ آپ ﷺ نے اس کو اشارے سے سمجھایا کہ اپنے بالوں کو درست کیجئے۔ وہ اپنے گھر پلٹا اور بالوں کو سنوار کر دوبارہ آپؐ کے حضور پیش ہوا اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا' شیطانی شکل صورت اختیار کرنے کی بجائے یہ کتنے بہتر نظر آرہے ہیں۔'' اور پھر فرمایا:

(اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ) (مشكوٰة باب الغضب والكبر)

''اللہ خود حسین وجمیل ہیں اور حسن وجمال کو پسند کرتے ہیں۔''

شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے مسلمان بیٹیوں کو پردے اور شرم وحیا کی پابندی

رکھتے ہوئے مکمل طور پر حسن و جمال اختیار کرنے کی اجازت فرمائی۔

مرد کو سونا اور ریشم پہننے سے روک دیا جبکہ خواتین کے لیے جائز فرمایا کہ حسن و زیبائی عورت کا حق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کی دلہن کو دیکھ کر استفسار فرمایا تھا کہ بیٹی آپ کی شادی کو ابھی چند دن ہی گذرے ہیں لیکن آپ کے چہرے، مہرے اور لباس سے اس کے اثرات دکھائی نہیں دیتے۔ عرض کرنے لگی اماں جان میں کس کے لیے بناؤ سنگھار کروں۔ میرا شوہر رات مصلے پر اور دن روزے کی حالت میں گذارتا ہے۔ یہ واقعہ جب نبی کریم ﷺ کی علم میں آیا تو آپ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا تھا:

(اِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا اِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا) (مشكوٰة باب صيام التطوع)

"تجھ پر تیری آنکھ جسم اور رفیقۂ حیات کے بھی حقوق ہیں۔" جسے ہر حال میں پورا کرنا چاہیے۔

آپ ﷺ کا فرمان کہ گھروں کے آنگن صاف رکھیے

آپ ﷺ نے ملت کے افراد کو ذاتی طور پر پاک صاف اور لباس کے اعتبار سے صاف رہنے کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ یہ بھی ارشاد عالی ہے کہ آدمی جہاں رہ رہا ہو وہ جگہ حتیٰ کہ گھر کا صحن بھی صاف ستھرا رہنا چاہیے:

(اِنَّ اللّٰهَ نَظِيْفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ نَظِّفُوْا اَفْنِيَتَكُمْ)

(ترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی النظافة)

"اللہ تعالیٰ پاک صاف ہیں اور صفائی کو پسند کرتے ہیں۔ تم اپنے گھروں کے صحن کو صاف رکھا کرو۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے مسلمانوں کی آبادیوں کو اعلیٰ مدنیت کے اصولوں سے آراستہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جس شخص نے راستے سے ایذا دینے والی چیز کو ہٹا کر راستہ صاف

اور ہموار کر دیا ایسے شخص کے نامۂ اعمال میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نیکیوں کا اندراج کیا جائے گا۔

اسی لیے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کوفہ اور بصرہ کے شہر آباد ہوئے تو ان کی پلاننگ اس طرح کی گئی کہ شدید بارش کے باوجود پانی کا ایک قطرہ بھی وہاں نہ ٹھہرتا تھا اور ان شہروں میں چھوٹے چھوٹے بازار بھی بیس فٹ سے کم نہیں ہوا کرتے تھے۔ اور ان کی صفائی کے لیے بہترین انتظامات کیے جاتے تھے۔ (الفاروق)

☆☆☆

☆ ظاہر اور باطن کو پاک رکھیے۔

☆ صاف ستھرے دانت صحت کی ضمانت ہیں۔

☆ طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔

☆ شرم و حیا میں رہ کر حسن و جمال اپنایئے۔

☆ صاف ستھری مدنیت مسلمانوں کا ورثہ ہے۔

☆☆☆

آپ ﷺ کے ملبوسات

اللہ تعالیٰ نے لباس کی ضرورت واہمیت بیان کرتے ہوئے صرف مسلمان یا کسی خاص قبیلے اور قوم کو ہی مخاطب نہیں فرمایا بلکہ لباس کی مقصدیت اجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لباس آدمی کی زینت اور ستر پوشی کا مظہر ہونا چاہیے۔

﴿ يَابَنِيْٓ آدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْءٰتِكُمْ وَرِيْشًاؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌؕ ﴾ (سورة اعراف: ٢٦)

''اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لیے لباس نازل کیا جو تمہارے جسموں کو ڈھانپنے کیساتھ تمہارے وجود کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ ہے۔ بہترین لباس پرہیزگاری کا لباس ہے۔''

ریش

ریش پرندے کے پروں کو بھی کہا جاتا ہے۔ جو اس کا لباس ہونے کے ساتھ ساتھ حسن وزیبائی کا باعث اور پھر اس کی اڑان اور پروان کا ذریعہ بھی ہے۔ انسان کیونکہ پوری مخلوق میں ظاہری اور معنوی اعتبار سے خوب صورت ترین پیدا کیا گیا ہے۔

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴾ (التین: ٤)

''بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین انداز میں تخلیق کیا ہے۔''

اس لیے ضروری ہے کہ وہ ایسا لباس زیب تن کرے جو وضع قطع اور رنگ وڈیزائن کے اعتبار سے اس کی قد وقامت اور نکھار وسنوار میں اضافہ کرے۔ دوسرا مقصد تقویٰ قرار پایا۔ یہاں تقویٰ کے دونوں معنی مراد لینے چاہییں۔ ظاہری کثافت ونجاست اور موسموں کی حدت وبرودت' ہوا اور فضا کے برے اثرات سے اپنے آپ کو بچانا اسی کے باعث آپ ﷺ ہمیشہ موسم کے مطابق لباس زیب تن فرماتے۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ گرمیوں

میں آپ کھلا کرتا پہنتے۔ جب آپ ﷺ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو بسا اوقات سامنے بیٹھا ہوا آدمی آپ ﷺ کی آستینوں سے بغلوں کے قریب بازوؤں کی سفیدی دیکھ سکتا تھا۔

(وَاِنَّہٗ یَرفَعُ حَتّٰی یُرٰیٰ بَیَاضُ اِبْطَیْہِ) (مشکوٰۃ کتاب الاستسقاء)

''آپ نے اس قدر ہاتھ بلند کیے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔''

اور اسی طرح آپ ﷺ سردیوں میں نسبتاً چست لباس استعمال فرماتے۔ یہاں تک کہ آپ ایک دفعہ وضو کرنے لگے تو کہنیوں کو دھونے کے لیے آستین چڑھانا چاہیں، جب اوپر نہ ہو پائیں تو آپ ﷺ کو اچکن اتارنا پڑی۔

(اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ لَبِسَ جُبَّۃً رُومِیَۃً ضَیِّقَۃَ الْکُمَّیْنِ)

(بخاری، مسلم کتاب اللباس)

''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رومی جبہ پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔''

لباس کا دوسرا مقصد شرم وحیا کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ہے۔ قرآنِ کریم اس کو تقویٰ سے تعبیر کرتا ہے۔ اگر لباس موسم کے مطابق نہیں تو صحت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر شریعت کے تقاضے پورے نہیں کرتا تو حیا کے رخصت ہونے کا خدشہ ہے۔ اسی بنا پر خاص کر عورت کو شرم وحیا کی تلقین فرماتے ہوئے پردے کا حکم دیا۔

(عَنِ ابنِ مَسعُودٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اَلمَرأۃُ فَاِذَا خَرَجَت اِستَشرَفَھَا الشَّیطٰنُ)

(رواہ الترمذی کتاب الرضاع باب استشراف الشیطان المرأۃ)

''جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا عورت پردہ ہے اور اسے پردے میں ہی رہنا چاہیے۔ جب کوئی عورت بے پردہ باہر نکلتی ہے تو شیطان صفت لوگ اس کو اپنی نظروں کا نشانہ بناتے ہیں۔''

اور یہ بھی فرمایا کہ عورتیں زیادہ باریک لباس نہ پہنیں۔ جس سے ان کا جسم نظر آئے۔ لباس کے باوجود برہنہ دکھائی دینے والی عورتوں پر پھٹکار کے الفاظ استعمال کیے۔

(عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ اَسْمَآءَ بِنْتَ اَبِیْ بَکْرٍ دَخَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَیْهَا ثِیَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَقَالَ یَا اَسْمَآءُ اِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِیْضَ لَنْ یُّصْلِحَ اَنْ یُرَی مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰی وَجْهِهٖ وَکَفَّیْهِ) (مشکوۃ کتاب اللباس)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں (میری بہن) اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ رسول پاک ﷺ کے پاس آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ تو آپ ﷺ نے ان کی طرف سے چہرہ پھیر لیا اور کہا کہ اے اسماء! جب عورت جوان ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس کے ہاتھوں اور چہرے کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ نظر آئے۔''

دوسری روایات میں یہ وضاحت موجود ہے کہ چہرے کا ڈھانپنا نہایت ضروری ہے کیونکہ اگر چہرہ ننگا ہو تو پردے کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔

غرور اور تکبر سے بچیے

غرور و تکبر سے بچنے کے لیے مردوں کو ٹخنوں سے نیچے تہہ بند رکھنے سے منع کر دیا۔

(عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ مِنَ الْاِزَارِ فِی النَّارِ) (مشکوۃ کتاب اللباس)

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص ٹخنوں سے نیچے تہبند رکھے گا اس کے ٹخنوں کو آگ میں جلایا جائے گا۔''

آپ ﷺ کے ملبوسات کے رنگ و ڈیزائن

آپ ﷺ نے مردوں کے لیے سفید رنگ کو نہایت ہی پسند فرمایا۔

عَنْ سَمُرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِلْبَسُوا الثِّیَابَ الْبِیْضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَاَطْیَبُ وَکَفِّنُوْا فِیْهَا مَوْتَاکُمْ۔ (مشکوۃ کتاب اللباس)

''حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ یہ زیادہ صاف ستھرے اور نفیس ہوتے ہیں۔ اور اپنے فوت ہونے والوں کو سفید کپڑوں میں کفن دیا کرو۔''

اس پسندیدگی کے باوجود رنگ دار لباس بھی زیب تن کرتے تھے۔ خصوصاً وفود سے ملاقات کرتے ہوئے گیری رنگ کا لباس پہنتے۔ بالکل کالا' سبز اور سرخ رنگ کبھی استعمال نہیں کیا۔ مخصوص لباس اور ہمیشہ ایک ہی رنگ اختیار کیے رکھنا نیکی کی نمائش اور جاہل صوفیا کا طریقہ ہے۔

احادیث کی مقدس دستاویزات میں کالے یا سرخ رنگ کے لباس کے جو اشارات ملتے ہیں اس سے مراد سرخی یا سیاہی مائل کپڑے ہیں۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بالکل سیاہ' سبز اور سرخ لباس آپ ﷺ نے نہیں پہنا۔ حدیث میں ایسے رنگوں سے مراد ان رنگوں کا غالب ہونا ہے۔ البتہ دستار مبارک اور سردیوں میں اوپر لینے والی چادر خالص کالے رنگ کی استعمال فرمائی۔

(عَنْ عَمْرِ وبْنِ حُرَيْثٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى الْمِنبَرِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَآءَ) (مشکوٰۃ کتاب اللباس)

''حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر تشریف فرما دیکھا اور آپ ﷺ سیاہ پگڑی پہنے ہوئے تھے۔''

وضع قطع کے اعتبار سے چند معمولی تبدیلیوں کے ساتھ آپ ﷺ نے وہی لباس استعمال فرمایا جو اس زمانے میں لوگ پہنا کرتے تھے۔ اس دور میں لوگ اکثر قمیض کے ساتھ تہبند اور سر پر دستار سجایا کرتے تھے۔ یہی بڑے اور معزز لوگوں کا لباس ہوا کرتا تھا۔ البتہ معاشرے میں پاجامہ اور شلوار بھی لوگوں کے زیر استعمال تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارے دیئے ہیں کہ نبی محترم ﷺ شلوار بھی پہنا کرتے تھے۔ جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شلوار یا پاجامہ اور سروں پر ٹوپیاں پہننے کے تو بہت سے ثبوت

موجود ہیں۔

آپ ﷺ کا انگوٹھی پہننا

ایک شخص نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا:

(هَلِ اتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَاتَمًا)

''کیا اللہ کے پاک نبی انگوٹھی پہنتے تھے؟''

تو خادم رسول ﷺ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہاں نبی اکرم ﷺ انگوٹھی بھی زیب انگشت کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ بڑے محبت بھرے انداز میں پورا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عشاء نبی اکرم ﷺ بڑی دیر سے مسجد میں تشریف لائے جبکہ ہم نماز کے لیے آپ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے۔ جماعت کے بعد آپؐ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اس وقت روئے زمین پر صرف آپؐ ہی نماز کے لیے جاگ رہے ہیں۔ گویا کہ تم لوگ نماز میں مشغول تھے اس وقت آپؐ نے دست مبارک میں انگوٹھی پہن رکھی تھی۔

(فَكَأَنِّىْ أَنْظُرُ إِلٰى وَمِيْضِ خَاتِمِهٖ فِىْ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)

(طبقات ج ۱ ص ٤٧٢)

''گویا کہ میں اب بھی رسول اللہ ﷺ کے دست اقدس میں اس انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں۔ جو آپ ﷺ نے پہنی ہوئی تھی۔''

آپ ﷺ انگوٹھی دائیں اور کبھی بائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔

(مشکوۃ باب الخاتم)

عمدہ، قیمتی لباس مگر سادگی

عام آدمی کے بارے میں نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ اسے اپنے وسائل کے مطابق لباس کا معیار قائم رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت عالی میں حاضر ہوا اور میں نے اپنی حیثیت سے کم تر لباس پہنا ہوا تھا۔ آپؐ نے بڑے تعجب سے

پوچھا خیر تو ہے کہ آپ نے اس قدر معمولی لباس پہنا ہوا ہے۔ تو میں نے عرض کیا اللہ کے نبی ﷺ! میرے پاس اللہ کی ہر نعمت موجود ہے تو اس وقت آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے جسم وجثہ پر اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا اظہار بھی ہونا چاہیے۔

(اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يَرَىٰ اَثَرَ نِعَمِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ) (مشکوٰۃ کتاب اللباس)

''اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت پسند ہے کہ بندے پر اس کے انعام واکرام کے اثرات نمایاں طور پر نظر آئیں۔''

لیکن ذمہ داران قوم کیلیے سادگی اپنانے کی تلقین فرمائی۔

(اَلَا تَسْمَعُوْنَ؟ اَنَّ الْبَذَاوَةَ مِنَ الْاِيْمَانِ) (مشکوٰۃ کتاب اللباس)

''توجہ کے ساتھ سنئے! سادگی اور معمولی لباس ایمان کا حصہ ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین کی سادگی کے مناظر تاریخ کے اوراق میں جا بجا پائے جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے بے خبری یا تعصب کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تہذیب وثقافت کو قیصر وکسریٰ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جبکہ دنیا کی سب سے بڑی مملکت یعنی چھپن لاکھ مربع میل پر فرمانروائی کرنے والے معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے لباس پر کئی پیوند چسپاں کیے ہوئے تھے۔ ہاں گورنری کے زمانے میں وہ عمدہ اور قیمتی لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی ثقافت کا جب نوٹس لیا تو انہوں نے جواباً عرض کیا کہ صوبۂ شام رومیوں کی سرحد سے ملحق ہے۔ اس لیے میں ان پر رعب اور دبدبہ قائم رکھنے کے لیے ایسے ملبوسات پہنتا ہوں۔ کیونکہ رومی مسلمانوں کی سادگی کو کمزوری کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عذر کو جائز قرار دیا تھا۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب خود امیر مملکت بنے تو انہوں نے یکسر طور پر اپنے آپ کو تبدیل کر لیا تھا پھر وہ سادہ اور معمولی لباس ہی پہنا کرتے تھے جس کی جھلک اوپر پیش کی گئی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر قوموں اور معاشرے میں سادگی رواج نہیں پا سکتی اور پھر غریب کو غربت کے احساس سے نکالنے کے

لیے مؤثر ترین نسخہ ہی یہی ہے۔معاشرے کے بڑے لوگ سادہ بودوباش اختیار کریں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو سادگی کی انتہا فرمادی۔زندگی کے آخری ایام میں گھر والوں کو نصیحت فرمائی۔لیکن افسوس آج دین کے نام پر جلوسوں اور مزارات پر کروڑوں روپے ضائع کیے جارہے ہیں۔

جب تک سربراہان قوم،اعلیٰ حکام اور زعمائے ملت اپنے لیے سادگی کو نہیں اپنائیں گے ملت اپنے معاشی مسائل پر قابو نہیں پاسکتی۔

☆☆☆

☆ عمر اور حالات کے اعتبار سے لباس اور ڈیزائن اختیار کیجیے۔

☆ خواتین نمائش اور مرد تکبر اور غرور سے اجتناب کریں۔

☆ عام آدمی اپنی حیثیت اور نمائندگان قوم سادگی اپنائیں۔

☆ مخصوص لباس اور ایک ڈھنگ میں رہنا آپؐ سے ثابت نہیں۔

☆ لباس دائیں جانب سے پہننا آپ ﷺ کی سنت ہے۔

لباس پہننے کی دعا:

(اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ) (مشکوٰۃ کتاب اللباس)

''تمام ستائش اللہ کے لیے ہیں جس نے ڈھانپنے کے لیے لباس عطا کیا جو میری زندگی کے لیے ستر پوشی اور زینت کا باعث ہے۔''

☆ پرانا لباس صدقہ کردینا چاہیے۔

☆☆☆

خورد و نوش کے آداب

کھانا پینا ہر جاندار کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر زندگی اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے۔ مگر حیوان اور انسان بالخصوص مسلمان کے کھانے پینے میں واضح فرق ہونا چاہیے۔ حیوان کو مالک اور غیر کے چارے میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ کسی ضابطے کا پابند ہے۔ جبکہ انسان کے لیے ایک ضابطہ اور قاعدہ ہے کہ وہ صرف اپنا مال کھا سکتا ہے بلا اجازت دوسرے کا نہیں۔ مسلمان کو اپنا کھانا کھانے کے لیے بھی کچھ ضابطوں کا پابند کیا گیا ہے تاکہ نہ صرف حیوان اور انسان کا فرق ہو بلکہ عام انسان اور مسلمان کے کھانے میں بھی نمایاں فرق پایا جائے۔ اسی لیے امت مسلمہ کو ایک سلیقے اور طریقے سے متعارف کروایا گیا ہے تاکہ مسلمان دستر خوان پر بیٹھے ہوئے بھی مہذب اور سلیقہ شعار قوم دکھائی دیں۔

آپ ﷺ کھانے کے وقت تین انگلیاں استعمال کیا کرتے تھے تاکہ لقمہ چھوٹا لیا جائے۔ پھر اس طرح جگالی منہ سے باہر دکھائی نہیں دیتی۔ لقمے کا منہ سے باہر نظر آنا پرلے درجے کی بدتہذیبی ہے۔ اس لیے لقمہ چھوٹا لیتے ہوئے منہ کو بند رکھنا چاہیے۔ چپا کی مار مار کر کھانا قبیح عمل ہے۔ تہذیب اور قناعت کا تقاضا یہ ہے کہ ہاتھ دھو کر اور اگر ایک سے زیادہ آدمی دستر خوان پر موجود ہوں تو ہر کسی کو اپنے سامنے سے کھانا چاہیے۔

(قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ)

(مشکوٰۃ کتاب الاطعمه)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھا کیجیے اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا اپنے سامنے سے کھانا چاہیے۔"

(اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنْ نَسِيَ اَنْ يَّذْكُرَ اللّٰهَ فِيْ اَوَّلِهٖ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ) (مشکوٰۃ کتاب الاطعمه)

"رسول محترم ﷺ نے فرمایا کوئی شخص کھانا کھانے کا آغاز کرے تو اسے بسم اللہ پڑھنی چاہیے اگر وہ ابتدا میں بھول جائے تو یاد آتے ہی اسے یہ الفاظ کہنے چاہییں۔"

(بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ) (مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ)

''ابتدا اور انتہا اللہ کے بابرکت نام سے۔''

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ اِنْ لَّا يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ (مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ)

''رسول معظم ﷺ نے فرمایا جس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کھانے پہ شیطان اپنا حق سمجھتا ہے۔''

آپ ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ متکبر اور مغرور لوگوں کی طرح نہیں بلکہ عاجز اور منکسر المزاج لوگوں کی طرح بیٹھ کر کھانا چاہیے۔ کھانا کھانے کے وقت دونوں پاؤں پر بیٹھنے یا ایک پر بیٹھتے ہوئے دوسرے کو کھڑا رکھنا پسند فرماتے تھے۔ (مسند امام احمد)

تاکہ کھانے والا پیٹ پھیلا کر نہیں سکیڑ کر کھائے اس طرح بسیار خوری سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس بناء پر نبی محترم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

(عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ الْكَافِرُ يَأْكُلُ فِیْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِیْ مَعًا وَّاحِدٍ) (مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ)

''نبی محترم ﷺ نے فرمایا کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے جبکہ مومن ایک آنت میں۔''

یعنی مسلمان کو بسیار خوری سے اجتناب کرنا چاہیے۔ پھر آپؐ یہ بھی فرماتے تھے:

(بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ اُكُلَاتٍ يُقِمْنَ صُلْبَهٗ) (مشکوٰۃ باب الدقاق)

''آدمی کو کمر سیدھی رکھنے کے لیے چند لقمے ہی کافی ہو سکتے ہیں۔''

اگر کوئی اس سے زیادہ کھانا چاہتا ہے تو اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ اپنے پیٹ کے تین حصے کرے ایک حصہ کھانے کے لیے، دوسرا پینے اور باقی سانس کی آمدورفت کے لیے چھوڑنا چاہیے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: کسی برتن کو اس کے کناروں تک بھر دینا اتنا نقصان دہ نہیں جتنا کہ اپنے پیٹ کو لبالب بھر دینا نقصان دہ ہے۔ (ترمذی)

اسی طرح چل پھر کر کھانا پینا پسندیدہ انداز نہیں ہے۔ یہ انداز انسانوں کی بجائے حیوانوں سے زیادہ مشابہہ ہے۔ مگر آج اپنے آپ کو مہذب جاننے والے کسی تقریب میں جائیں تو وہ دستر خوان پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ جیسے بڑی مدت سے ایک ایک لقمے کو ترس رہے ہوں۔ کئی دفعہ دھکم پیل اور چھینا جھپٹی سے بڑھ کر اچھا خاصہ ہنگامہ اور چیخ و پکار کا عالم برپا ہو جاتا ہے' کپڑے سالن سے تر بتر' پلیٹیں اور بعض دفعہ دیگیں الٹ گئیں' چمچے آندھی کی طرح چلنے لگتے ہیں معمر اور مہذب لوگ حیرت زدہ ہوتے ہوئے یہ تماشۂ بدتمیزی دیکھ کر کچھ کھائے بغیر واپس پلٹ جاتے ہیں۔ میزبان رسوائی اور خفت کی تصویر بنا دانت پیتا رہ جاتا ہے۔ افراتفری کی اس واردات میں دیندار طبقہ ہنگامہ آرائی میں تو شامل نہیں ہوتا لیکن بسیار خوری میں وہ بھی پیچھے رہنا پسند نہیں کرتا۔ ان کے کھانے پینے کے ایسے واقعات زباں زدِ عام ہیں کہ سننے والا ہنسے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اکل و شرب کے بارے میں آپ ﷺ یہ بھی احتیاط روا رکھتے کہ سخت تھکان' غسل' پھل اور کھانے کے آخر میں پانی پینا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح ایک ہی سانس میں گھٹا گھٹ پانی پینا اچھا نہیں جانا۔ حتیٰ کہ پیٹ کو پانی سے لبالب بھرنے سے بھی سخت اجتناب کیا کرتے۔

چل پھر کر یا کھڑے ہو کر کھانا

کھانے کے علاوہ پھل وغیرہ کھڑے ہو کر کھانے کے ثبوت موجود ہیں لیکن باقاعدہ کھانا کھڑے ہو کر کھانے کا کوئی حوالہ حدیث کی کتب میں ملنا مشکل ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کی تہذیب یہی ہے کہ کھانا آرام سے بیٹھ کر کھانا چاہیے۔

☆☆☆

آپ ﷺ کی پسندیدہ غذائیں اور مشروبات

کھانے کے سلسلے میں ہر وہ حلال اور پاک چیز نوش فرمائی جو اس زمانے میں عرب کی پیداوار یا آپ ﷺ کو میسر ہو سکتی تھی۔ تاہم آپ ﷺ کی غذاؤں اور کھانوں میں پسندیدہ چیزیں یہ ہیں:

گوشت:

گردن' پائے' دستی کا گوشت اور مچھلی آپ ﷺ بڑی رغبت کے ساتھ تناول فرماتے۔

مشروبات:

شہد' دودھ' گرمیوں میں ٹھنڈا پانی' دودھ میں پانی یعنی لسی اور شہد کا شربت بھی نوش جان فرمایا۔

سبزیات:

سبزیوں میں کدو نہایت ہی پسند تھا۔ پھلوں میں کھجور' انگور' تربوز' چقندر اور کھیرا بھی کھانے کا ثبوت موجود ہے۔ سالن نہ ہونے کی صورت میں کھجور کے ساتھ بھی آپؐ نے روٹی کھائی۔ اس طرح سرکے کو سالن کا متبادل قرار دیا۔ بہت زیادہ ٹھنڈا یا گرم کھانا یا مشروبات پینے سے اجتناب فرمایا کرتے تھے۔

نعمت کی قدردانی

اکل وشرب کے بارے میں آپ ﷺ مسلسل لوگوں کو ہدایات دیتے کہ برتن کو اچھی طرح صاف کرنا چاہیے کیونکہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے آدمی بڑی محنت ومشقت کے بعد اپنے لیے غذا کا انتظام کرتا ہے اس بنا پر اسے ایک ایک ذرے کی قدر کرنی چاہیے۔ آپ ﷺ کی یہ بھی تلقین تھی کہ اگر کھاتے وقت خوراک کا کوئی جزو نیچے گر جائے اور وہ کھانے کے قابل رہا ہے تو ضرور اٹھا لینا چاہیے۔ اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ حضرت حذیفہؓ رستم کے ساتھ مذاکرات کے دوران کھانا کھا رہے تھے تو ان کے ہاتھ سے ایک ذرہ

نیچے گر گیا تو جب وہ اٹھانے لگے تو ان کے ایک ساتھی نے اشارہ کیا کہ ایسا کرنے والا ان کے ہاں معزز تصور نہیں ہوتا تو انہوں نے فرمایا:

(اَتْرُكُ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لِهٰؤُلَاءِ السُّفَهَاءِ) (البدایه و النهایه)

"کیا میں ان بیوقوفوں کی وجہ سے اپنے آقا ومولیٰ کی تہذیب کو چھوڑ دوں؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔"

کھانے پر تبصرہ

آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ کھانا کھانے کے بعد اس پر کسی قسم کا منفی تبصرہ نہیں فرماتے تھے۔

(مَاعَابَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَعَاماً قَطُّ اِنِ اشْتَهَاهُ اَكَلَهُ وَاِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ) (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب الاطعمه)

"نبی محترم ﷺ کسی کھانے میں نقص نہیں نکالتے تھے اگر چاہت ہوتی تو کھا لیتے ورنہ کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتے۔"

کھلانے والے کے لیے دعا

آپ ﷺ اگر کسی دعوت پہ تشریف لے جاتے تو کھانا کھلانے والے کے لیے برکت کی دعا اور اس کو تحسین سے نوازتے اور فرماتے:

(اَللّٰهُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنَا وَاسْقِ مَنْ سَقَانَا) (مشکوٰۃ باب الاطعمه)

"الٰہی میزبان کو اور عطا فرمایئے کیونکہ اس نے ہمیں کھلایا اور پلایا ہے۔"

حرام وحلال کی تمیز

دین کے مرکزی اور بنیادی مسائل میں حلال وحرام کے مسئلے کو کلیدی حیثیت حاصل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ خورد ونوش کے معاملات میں حرام وحلال کے ضابطوں کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ جن الفاظ سے انبیاءِ کرام علیہم السلام کو مخاطب کیا گیا اسی انداز میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر تم میری اطاعت اور عبادت کرنیوالے ہو تو تمہیں لقمۂ حلال کھانا ہوگا۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴾ (المومنون: ۵۱)

''اے انبیاء کی جماعت حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو جو کچھ تم اعمال کرو گے میں ان سے اچھی طرح واقف ہوں۔''

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾ (البقرہ: ۱۷۲)

''اے صاحب ایمان حضرات! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عطا کی ہیں انہیں کھاؤ اور نیک عمل کرو جو بھی تم عمل کرو گے میں انہیں جانتا ہوں۔''

کھانے کے بعد دعا

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ)

(مشکوٰۃ باب الاطعمہ)

''ہر قسم کی تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں کھانے اور پینے کے لیے عطا فرمایا ہے اے اللہ! ہمیں ہمیشہ اپنا تابعدار بنائے رکھنا۔''

☆ کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے چاہییں اور بسم اللہ پڑھتے ہوئے اپنے سامنے سے دائیں ہاتھ کے ساتھ کھانا کھانا چاہیے۔

☆ لقمہ چھوٹا لیجئے تاکہ جگالی منہ سے باہر دکھائی نہ دے۔

☆ چپاکی مارکر کھانا سنت کے برخلاف ہے۔

☆ کھانے اور مشروبات میں پھونکنا جائز نہیں۔

☆ سخت تھکان، غسل، پھل اور کھانے کے بعد پانی پینا بہتر نہیں۔

☆ دعوت کھانے کے بعد شکریہ ادا کرتے ہوئے بہتر تبصرہ کیجیے۔

☆ اول آخر دعا پڑھنا نہ بھولیے۔ ☆ آرام وطعام میں توازن قائم کیجیے۔

☆ بسیار خوری کفار کا طریقہ ہے۔

حفظانِ صحت کے اصول

انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا ﴾ (النحل: ۱۸)

''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو تمہارے بس کی بات نہیں۔''

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ایمان وایقان کی دولت ہے اس کے بغیر انسان حیوان سے بھی کمتر ہو جاتا ہے۔ ایمان کی سلامتی اور حسن کردار کی نعمت کے بعد سب سے بڑی نعمت صحت وتندرستی ہے۔ جس کے بغیر انسان دین ودنیا کا کوئی کام بھی اچھے طریقے سے انجام نہیں دے سکتا۔ اسی کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

بیماری سے پہلے صحت وتندرستی کو اللہ تعالیٰ کا گرانقدر تحفہ سمجھنا چاہیے۔

اسی لیے آپ ﷺ نے عبادت وریاضت میں اعتدال وتوازن کا حکم دیا ہے۔ اپنے زمانے کے بہت ہی نیک سیرت نوجوان حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا:

تجھ پر تیری آنکھ، جسم اور اہل وعیال کے حقوق ہیں جس کی نگہداشت ہر صورت میں تجھ پر لازم اور ضروری ہے۔ (مشکوۃ باب صیام التطوع)

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

(اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ)

(ابن ماجه كتاب الزهد باب التوكل و اليقين)

''کمزور مومن سے صحت مند مومن بہر حال بہتر ہے۔''

صحت کی حفاظت کے لیے آپ ﷺ لوگوں کو صرف بسیار خوری سے بچنے کی ہی تلقین نہیں کرتے تھے بلکہ مسلسل بھوکا رہنے سے بھی آپ ﷺ نے لوگوں کو منع فرمایا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ روزہ داری اور آپ ﷺ کی اتباع کے شوق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسلسل روزے رکھنے شروع کر دیئے ہیں۔ جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی

صحت پر منفی اثرات مرتب ہوئے تو آپ ﷺ نے مسلسل نفلی روزے رکھنے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ آپ میری طرح متواتر روزہ نہ رکھا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی۔ (مسلم کتاب الصیام باب النہی عن الوصال)

اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جو روحانی قوتیں مجھے عطا فرمائی گئی ہیں وہ نبی کے علاوہ کسی کا حصہ نہیں ہو سکتیں۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ آپ ﷺ کے سامنے آیا۔ دو بھائی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے یہ دونوں مسلمان ہو کر اپنے علاقے کی طرف لوٹ گئے۔ جب اگلے سال آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ ﷺ نے ایک کو پہچان لیا۔ جبکہ دوسرے ساتھی کو پہچاننے میں آپؐ کو دقت ہوئی۔ دوران گفتگو آپ ﷺ نے حسب عادت مبارکہ اس کا تعارف لینا چاہا تو وہ عرض کرنے لگے حضرت پچھلے سال میں اسی بھائی کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تھا تو آپؐ نے فوراً فرمایا کہ اس وقت تو آپ کی صحت قابل رشک تھی۔

اب آپ بہت کمزور نظر آ رہے ہو کیا کوئی بیماری یا صدمہ لاحق ہوا تھا جس کی وجہ سے اتنے نحیف نظر آ رہے ہو؟ تو اس نے کہا کہ آپؐ سے رخصت ہونے کے بعد سال بھر روزے کی حالت میں رہا ہوں۔ جس کی وجہ سے میری صحت پہلے جیسی نہیں رہی۔ تو مشفق و مہربان آقا نے فرمایا ایسا نہ کیجیے۔ مہینے میں جو شخص تین روزے رکھتا ہے رب کی بارگاہ میں اسے پورے مہینے کا ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

بیماری کی وجوہات

مسلمانوں میں عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ بیماری اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاحق ہوتی ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا تعلق ہے اس میں ذرہ برابر بھی شک کی گنجائش نہیں کہ ہر کام ابتداء سے انتہاء تک اللہ کے اختیارات میں ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔

﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَمَاتَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَ رْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (الا نعام: ٥٩)

''اللہ تعالیٰ ہی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں اس کے بغیر کوئی نہیں انہیں جانتا۔ بحر وبر میں جو کچھ بھی ہے وہ اس کے علم میں ہے اور جو پتہ بھی گرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں اور زمین کی تاریکیوں میں بیج اور کوئی خشک وتر چیز ایسی نہیں جو اس کے علم (کتاب مبین) میں نہ ہو۔''

مگر بنیادی طور پر یہ اصول اس طرح ہے نیکی اور خیر محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا ثمرہ ہے۔ جبکہ بیماری اور نقصان انسان کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں برائی اور نقصان کو انسان کی غلطیوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ ۝﴾ (الشوریٰ: ٣٠)

''جو بھی تمہیں مصیبت آتی ہے وہ تمہارے ہی کردار کا نتیجہ ہے۔ جبکہ ہم بہت سی باتوں کو صرف نظر کر دیتے ہیں۔''

اسی عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے سیدنا ابراہیمؑ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے تھے:

﴿الَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَامَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝﴾ (الشعراء: ٧٩، ٨٠)

''وہی ذات مجھے کھلاتی اور پلاتی ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں وہ مجھے شفا یاب کرتی ہے۔''

اسی اصول کے پیش نظر آپ لوگوں کو اخلاق، عزت وناموس اور صحت کے حوالے سے احتیاط کا حکم دیا کرتے تھے۔ حفظان صحت کے اصولوں کو اس قدر ترجیح اور لوگوں کی صحت کے بارے میں یہاں تک راہنمائی فرمائی کہ ارشاد مبارک ہے کوئی شخص دھوپ اور سائے

کے درمیان نہ لیٹے پھر چلتے ہوئے ایک پاؤں میں جوتا اور دوسرے کو ننگا رکھنے سے منع فرمایا ہے۔(مشکوٰۃ باب الترجل)

علاج اور پرہیز آپ ﷺ کی نظر میں

(عَنْ اُمِّ الْمُنْذِرِ بِنْتِ قَيْسَ الْاَنْصَارِيَّةِ رضی اللہ عنہا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ مَعَهُ عَلِيٌّ عَلَى نَاقَةٍ وَلَنَا دَوَالٌ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاْكُلُ مِنْهَا وَ قَامَ عَلِيٌّ لِيَاْكُلَ فَطَفِقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَقُوْلُ لِعَلِيٍّ مَهْ اِنَّكَ مَرِيْضٌ حَتّٰى كَفَّ عَلِيٌّ قَالَتْ وَ صَنَعْتُ شَعِيْراً وَ سَلْقاً فَجِئْتُ بِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا عَلِيٌّ اَجِبْ مِنْ هٰذَا فَهُوَ اَنْفَعُ لَكَ)

(ابو داؤد كتاب الطب باب الحمية)

''ام منذر بنت قیس انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہمارے گھر تشریف لائے تو میرے گھر میں کھجور کے خوشے لٹک رہے تھے تو آپ ﷺ کھڑے ہو کر تناول فرمانے لگے آپ ﷺ کو دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی کھانا شروع کر دیا جناب علی رضی اللہ عنہ طویل بیماری سے ابھی ابھی کچھ صحت مند ہوئے تھے۔اس لیے آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کھجوروں سے آپ ﷺ کو پرہیز کرنا چاہیے۔ام منذر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے جو اور چقندر پکائے ہوئے تھے وہ خدمت میں پیش کیے۔تو آپؐ نے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ! آپ کو یہ کھانے چاہییں۔''

حفظانِ صحت کے ان اصولوں کی پاسداری کا نتیجہ تھا کہ اس زمانے کا بہت بڑا حکیم حاذق مدینہ طیبہ میں اپنا مطب کھولتا ہے۔مدت تک اس کے پاس کوئی مریض نہ آیا تو وہ حیران و ششدر ہو کر پوچھتا ہے کہ کیا مسلمان تعصب کی بنا پر مجھ سے علاج نہیں کرواتے یا وہ بیمار ہی نہیں ہوتے؟ اسے بتلایا گیا کہ ہمارے رہبر و راہنما نے ہمیں کھانے پینے اور رہنے

سہنے کے نئے سلیقوں سے روشناس کرواتے ہوئے فرمایا ہے کہ صبح سویرے اٹھا کیجیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے صبح اٹھنے والوں پر برکات کو لازم فرمادیا ہے۔رات دن میں پانچ دفعہ وضو میں مسواک اور پھر ہفتہ میں جمعہ کے روز غسل کیجیے اور بھوک رکھ کر کھائیے۔

صحابی رضی اللہ عنہ کی زبان سے تفصیلات سن کر حکیم پکار اٹھا کہ جس نبی نے اس طریقۂ خوردو نوش سے متعارف کروایا ہے اس کی امت کو واقعتاً صحت منداور تندرست ہونا چاہیے۔

طب کی دنیا میں ڈاکٹر حضرات طویل تجرباتی سفر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وقت کی بہت سی بیماریوں کے علاج میں سب سے مدد ومعاون اصول یہ ہے کہ لوگ تکرار و بسیار خوری سے پرہیز کریں۔جب کچھ بھوک باقی ہو تو کھانے سے ہاتھ اٹھالیں۔

ایک دفعہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو انہیں یوں ہدایت فرمائی:

(عَنْ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَرِضْتُ مَرَضاً اَتَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَعُوْدُنِیْ فَوَضَعَ یَدَهُ بَیْنَ ثَدْیَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُ بَرْدَهَا فِیْ فُؤَادِیْ فَقَالَ اِنَّكَ رَجُلٌ مَفْؤُدٌ اِئْتِ الْحَارِثَ بْنَ كَلْدَةَ اَخَا ثَقِیْفٍ فَاِنَّهٗ رَجُلٌ یَتَطَبَّبُ فَلْیَاْخُذْ سَبْعَ تَمَرَاتٍ مِنْ عَجْوَةِ الْمَدِیْنَةِ فَلْیُجَاهُنَّ بِنَوَاتِهِنَّ ثُمَّ لِیَدُلُّكَ بِهِنَّ)

(ابو داؤد کتاب الطب باب فی تمرة العجوة)

’’حضرت سعد رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ بیمار ہوا تو نبی اکرم ﷺ میری تیمارداری کے لیے تشریف لائے۔آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا۔آپ ﷺ کے ہاتھ کی ٹھنڈک میرے دل تک پہنچی۔اس کے بعد آپ نے فرمایا آپ دل کے مریض ہیں آپ کو حارث بن کلدہ جو قبیلۂ ثقیف سے تعلق رکھتے ہیں۔ان سے علاج کروانا چاہیے اور ان کو چاہیے کہ وہ سات عجوہ کھجوروں کو گٹھلیوں سمیت پیس کر آپ کو کھلائیں۔‘‘

نیم حکیم خطرہ جان سے بچنے کا حکم

اسی طرح ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے۔ ان کے علاج کے لیے اس زمانے کے دو طبیب آئے۔ آپ ﷺ بھی موقعہ پر موجود تھے۔ آپ ﷺ نے دونوں سے کہا کہ تم دونوں میں سے جس کا تجربہ زیادہ ہے وہ علاج کرے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی نیم حکیم کی وجہ سے کوئی مر گیا تو اس کی موت کا ذمہ دار وہ ڈاکٹر یا حکیم ہوگا۔

(اَیُّکُمَا اَطَبَّ مِن طَبَبٍ وَھُوَلَا یَعرِفُ طِبًّا ھُوَ ضَامِنٌ) (ابو داؤد کتاب الدیات باب فی من تطبب ولا یعلم منه طب فاعنت)

صحت کے لیے آپ ﷺ کی دعائیں

صحت و تندرستی آپ ﷺ کی نگاہ میں گرانقدر اور اتنی عزیز تھی کہ آپ صبح شام دعائیں کیا کرتے:

(اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ سَمْعِیْ، اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَصَرِیْ، اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَدَنِیْ لَااِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ) (مشکوٰۃ مایقول عند الصباح والمساء)

"اے اللہ! میرے کان، آنکھ اور جسم کو سلامت رکھنا۔ آپ کے بغیر کوئی ان کی حفاظت نہیں کر سکتا۔"

☆☆☆

☆ صحت اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور بیماری بد پرہیزی کا نتیجہ ہے۔

☆ صحت کی حفاظت اور تندرستی کے لیے دعا کیجیے۔

☆☆☆

گھر کے آنگن میں آپ ﷺ کے اوقات

عام طور پر آپ ﷺ نے اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ ایک پبلک کے لیے' دوسرا ذکر واذکار کے لیے اور باقی وقت گھریلو معاملات کے لیے وقف فرما رکھا تھا۔ اسلام جس معاشرے کا خواہاں اور تہذیب کا طلب گار ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ معاشرے کی اکائی کو درست اور صحیح خطوط پر استوار کیا جائے کیونکہ جس عمارت کی ابتدائی اینٹیں پختہ نہ ہوں اس کے استحکام اور مضبوطی کی ضمانت دینے کیلیے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ دریا کی طوفانی موجوں کا وہی پشتہ مقابلہ کرسکتا ہے۔ جس کی بنیاد مضبوط اور قابل اعتماد ہو اسی پر معاشرے کو قیاس کرنا چاہیے۔ گھر کا ماحول جس قدر خوشگوار اور اچھی روایات کا امین ہوگا۔ اسی کا عکس معاشرے پر دکھائی دے گا۔

جس گھر میں ماں' باپ اخلاقیات سے تہی دامن ہوں اللہ کی قدرت اپنا رنگ دکھائے تو الگ بات ورنہ اولاد کا ماں باپ کی سطحی عادات کو قبول کرنا بدیہی اور فطری امر تصور کیا جانا چاہیے۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد آداب مجلس کے عنوان میں پہلے ذکر ہوا ہے جس میں آپؐ نے فطرت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا:

(كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ)

(مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر)

''ہر پیدا ہونے والا نونہال فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے یہ تو اس کے ماں باپ کے اثرات ہیں کہ وہ نومولود بڑا ہو کر یہودی' عیسائی یا مشرک بن جائے۔''

گھر کے ماحول کو ٹھیک رکھنے کے لیے میاں بیوی کے تعلقات کو حسنِ اخلاق کی معراج قرار دیا گیا۔

ایک موقع پر مدینے کی کچھ عورتیں جمع ہو کر آپ ﷺ کے گھر آئیں معلوم ہوا یہ خواتین اپنے خاوندوں کی سختی اور ترش روئی کی شکایت کر رہی ہیں آپ ﷺ نے اسی وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے فرمایا:

(خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ)

(مشکوۃ باب عشرۃ النساء)

"تم میں سے بہترین اخلاق کا حامل وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہوں۔"

شاید یہ اس لیے تھا کہ کوچہ و بازار میں اگر کوئی شخص دوسرے کے ساتھ بدخلقی کا مظاہرہ کرتا ہے تو غالب امکان ہے کہ اسے اس کے ردعمل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر گھر میں اطاعت شعار بیوی' پیاری بیٹیاں اور تابع فرمان بیٹوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے انسان کے حقیقی اخلاق کا ایسے ہی موقع پر پتہ چلتا ہے جب اس کے سامنے ہاتھ اٹھانے اور بولنے والا نہ ہو۔

آپ ﷺ دنیا اور آخرت کی کامیابی اور سرفرازیوں' پھر ہمہ جہت مصروفیات اور مسائل کے باوجود نارمل حالات میں گھر والوں کے لیے وقت ضرور نکالتے۔ جس میں بچوں کے ساتھ پیار' اہل خانہ کے ساتھ مشاورت اور خانہ داری کے امور میں برابر شریک ہوتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب میکے تشریف لاتیں' وہ گھر میں داخل ہوتیں تو آپ ﷺ اٹھ کر استقبال فرماتے اور مرحبا کہتے ہوئے محبت کا اظہار فرماتے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ سے پیار کا اظہار کرتے ہوئے گلے لگاتے اور کندھوں پر اٹھاتے ہوئے فرماتے' یہ میرے دو سوار ہیں۔ چہرہ چومتے ہوئے فرمایا کرتے:

(هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا) (مشكاة باب مناقب اهل بيت النبيؐ)

"حسن حسین رضی اللہ عنہما میرے لیے دو مہکتے ہوئے پھول ہیں۔ ان کی مہک سے میرے دل و دماغ معطر ہو جاتے ہیں۔" اور انکی والدہ:

(اَلْفَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّىْ) (مشكاة باب مناقب اهل بيت النبيؐ)

"فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جگر کا حصہ ہیں۔"

ایک دفعہ منبر پر لوگوں سے خطاب فرما رہے تھے کہ حسن حسین رضی اللہ عنہما اچھلتے کودتے منبر کی

طرف بھاگے آ رہے تھے۔ آپ ﷺ بے ساختہ نیچے اترے دونوں کو سینے سے لگایا اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد برحق ہے:

(اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ)

''کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔''

بے پناہ دینی' سیاسی' سماجی' ذاتی' ملکی اور بین الاقوامی مصروفیات کے باوجود آپ ﷺ نے گھریلو زندگی کے تناظر میں ایسے شفقت آمیز اور دلربا واقعات امت کے سپرد کیے ہیں کہ جس وقت فرصت ہو چاہے دینی' سماجی اور سیاسی طور پر وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اسے ساتھیوں خاص کر گھر کی چار دیواری میں پروٹوکول سے بے نیاز ہو کر بچوں کے ساتھ پیار اور گھر والوں کے ساتھ گھل مل کر رہنا چاہیے۔ تا کہ گھر کا ماحول گلشن و باغیچے کی طرح مہکتا رہے۔

جناب ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں میں ایمان کے لحاظ سے وہ شخص زیادہ کامل ہے جس کا اخلاق بہتر ہے اور پھر تم میں اچھے اور بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کریں۔ (مشکوۃ باب عشرۃ النساء)

(عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ کُنْتُ اَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ وَکَانَ لِیْ صَوَاحِبُ یَلْعَبْنَ مَعِیَ فَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ یَنْفِرْنَ مِنْهُ فَیُسَرُّ لُهُنَّ اِلَیَّ فَیَلْعَبْنَ مَعِیَ) (مشکوۃ باب عشرۃ النساء)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ جب میں نکاح کے بعد آپ کے گھر حاضر ہوئی تو ابتدائی ایام میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھلونوں سے کھیلا کرتی تھی۔ ایک دفعہ جب آپ ﷺ گھر تشریف لائے تو ہم کھیل رہی تھیں۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر میری سہیلیاں گھر میں اِدھر اُدھر چھپ گئیں تو آپؐ نے انہیں فرمایا کہ چھپنے کی بجائے جاؤ اور اپنا کھیل جاری رکھو۔''

(عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّهَا کَانَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ سَفَرٍ قَالَتْ فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ عَلٰی رِجْلِیْ فَلَمَّا حَمَلْتُ ثُمَّ سَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِیْ قَالَ هٰذَا

بِتِلْكَ السَّبِقَةِ) (مشكوة باب عشرة النساء)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (سفر کے دوران ہونیوالا واقعہ) بیان کرتی ہیں کہ ایک سفر میں میرا اور نبی اکرم ﷺ کا آپس میں دوڑ کا مقابلہ ہوا تو میں دوڑ میں آپ ﷺ سے آگے نکل گئی پھر دوسری مرتبہ جب میرا جسم کچھ بھاری ہو گیا تھا تو آپ ﷺ مجھ سے آگے نکل گئے اور فرمایا کہ یہ پہلی دوڑ کا جواب سمجھئے۔''

اہل خانہ کی ذمہ داریاں

گھر کا ماحول یکطرفہ طور پر ہموار اور خوشگوار نہیں رہ سکتا جب تک بیوی اور بچے سربراہ گھرانہ کا احترام اور خیال نہیں رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسی سمجھ دار اور ہونہار پیاری بیٹیاں عنایت فرمائیں تھیں جو آپؐ پر ہر لمحہ فدا اور جانثار ہوا کرتی تھیں مکہ معظمہ میں کفار نے جب سجدے کی حالت میں آپ ﷺ کی گردن پر اونٹ کی گندی اوجھڑی رکھی تھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کم سنی اور خطرناک حالات میں اپنی ننھی منی جان کی پرواہ کیے بغیر اپنے والد گرامی کی حفاظت کے لیے دوڑتی ہوئی پہنچیں۔ روتے ہوئے بڑی مشکل سے اوجھڑی اتاری جس کی پاداش میں ابوجہل نے انتہائی کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے رخسارِ اطہر پر تھپڑ مارا تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی غمخواری اور ہمدردی اس انتہا پر پہنچ چکی تھی کہ آسمان سے حضرت جبریل امین علیہ السلام محترمہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے السلام علیکم کا تحفہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔ آپ ﷺ تاحیات ان کی جانثاری' ہمدردی اور تعاون کو نہیں بھول سکے تھے ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عمر کے اعتبار سے چھوٹی ہونے کے باوجود آپ ﷺ کے ساتھ اخوت' محبت اور عقیدت واحترام کا عالم یہ تھا کہ کسی عزیزہ نے ان کے ہاں کھانے کے لیے تحفہ بھیجا کئی دن بھوکی ہونے کے باوجود انہوں نے اللہ کے نبی ﷺ کے لیے سنبھال کے رکھ چھوڑا۔

جب آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا! آپ نے کئی روز سے سیر ہو کر نہیں کھایا۔ یہ تمہیں خود ہی کھا لینا چاہیے تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آقا! آپ کے بغیر یہ کھانا میرے حلق میں کس طرح اتر سکتا تھا۔

گھر کا ماحول تبھی گلشن وباغیچے کی طرح مہک سکتا ہے جب بیوی اور بچوں کی طرف سے سربراہ گھر کے ساتھ ایسی محبت کا مظاہرہ کیا جائے۔

☆☆☆

☆ گھر کا ماحول خوشگوار رکھنا اعلیٰ اخلاق کی نشانی ہے۔

☆ اہل خانہ کے ساتھ درگزر اور معافی کا رویہ اپنانا چاہیے۔

☆ بچوں کو سب سے زیادہ محبت ماں باپ کے ساتھ کرنی چاہیے۔

☆☆☆

اندازِ تجارت اور مزدور کا تحفظ

انبیائے کرام ﷩ دین کی ترویج واشاعت اور عوام الناس کی خدمت کرتے ہوئے لوگوں پر بوجھ بننے کی بجائے سیلف میڈ (self made) ہوا کرتے تھے۔ وہ تمام کوشش اور کاوش کے بدلے لوگوں سے ایک دمڑی کے بھی روادار نہیں تھے۔ وہ تو برملا فرمائے جاتے تھے کہ ہم اس دینی اور عوامی خدمت کے صلہ میں آپ سے ایک پیسے کے بھی طلبگار نہیں سورۂ الشعراء میں حضرت نوح، ہود، صالح، لوط اور حضرت شعیب ﷩ کا تذکرہ کرتے ہوئے ہر پیغمبر کی زبان اطہر سے ان الفاظ کا تذکرہ موجود ہے:

﴿ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾

(الشعراء : ۱۰۹)

"میں آپ سے اس خدمت کا کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ بلکہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اجر کا طلب گار ہوں۔"

وہ تو اپنی ذات اور عیال پر صدقہ وزکوٰۃ اور ہر قسم کے معاوضے کو حرام تصور کرتے تھے۔ بے پناہ مصروفیات اور گوناں گوں مشکلات کے باوجود اپنی معاش کا خود انتظام کرتے۔ یہاں تک ان کی معاشی زندگی میں بھیڑوں کی گلہ بانی کے واقعات بھی پائے جاتے ہیں۔ اسی روایت اور اصول کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے نبوت کے بعد بھی ایک وقت تک تجارت کا سلسلہ جاری رکھا۔ جبکہ نبی ہونے سے پہلے آپ ﷺ مضاربت کی بنیاد پر حضرت خدیجہ ؓ کی تجارت میں بھرپور حصہ لے رہے تھے۔

تھوڑے ہی عرصے میں آپ ﷺ ایک بین الاقوامی تاجر کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ آپ کی دیانت وامانت اور کاروباری فہم وفراست سے متاثر ہو کر عرب کی عظیم اور امیر ترین خاندانی عورت حضرت خدیجہ ؓ نے نکاح کی پیش کش کی جسے آپ ﷺ نے اپنے بزرگوں کی مشاورت اور شرکت سے قبول فرمایا۔ کاروبار اور منڈی میں اصلاحات جاری کرتے ہوئے تجارت کی دنیا میں آپ ﷺ نے تاجروں کو نئی روایات اور اصولوں سے

متعارف کروایا۔ اس سے پہلے کاروباری اور تاجر لوگ کسی اخلاقی اور انسانی ہمدردی کی پرواہ کیے بغیر پیسے پر پیسہ کمانے کے اصول پر کاروبار کر رہے تھے۔ آپ ؐ نے کاروبار میں انسانی ہمدردی اور اخلاقی قدروں کو مقدم رکھنا لازم قرار دیا۔

تجارت کے مال میں ملاوٹ کو ملت اور انسان دشمنی قرار دیتے ہوئے فرمایا' جس نے آج کے بعد ملاوٹ کی وہ ہماری جماعت میں تصور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ملاوٹ کرنے والا تول میں اضافے اور ملاوٹ کے ذریعے قیمت دوگنی تگنی کرنے کے ساتھ ناقص خوراک کے سبب لوگوں کی صحت کی خرابی اور بعض اوقات بالواسطہ ان کی موت کا سبب بنتا ہے۔ بازار اور منڈی کے حالات درست رکھنے کے لیے بعض اوقات آپ ﷺ بنفس نفیس منڈی میں جا کر تجارت کا جائزہ لیتے۔ اسی سلسلے میں ایک دن آپ ﷺ منڈی تشریف لے گئے۔ تو اچانک آپ ؐ نے اپنی آستین کو اوپر کرتے ہوئے غلے کے ایک ڈھیر میں ہاتھ داخل کیا۔ جس کو جناب ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

(عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ عَلٰی صُبْرَةِ طَعَامٍ فَاَدْخَلَ یَدَهٗ فِیْهَا فَنَالَتْ اَصَابِعُهٗ بَلَلًا فَقَالَ مَا هٰذَا یَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟ فَقَالَ اَصَابَتْهُ السَّمَآءُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَفَلَا جَعَلْتَهٗ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰی یَرَاهُ النَّاسُ مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا) (مشکوٰۃ باب النهی عنها من البیوع)

"حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ منڈی میں تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے غلے کے ایک ڈھیر میں ہاتھ داخل کیا تو آپ ﷺ کو نم محسوس ہوا۔ اب آپ ؐ نے دوکاندار سے پوچھا یہ تری کیسی ہے؟ وہ تاجر کہنے لگا کہ بارش کی وجہ سے اوپر کا غلہ بھیگ گیا تھا میں نے غلہ اوپر نیچے کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ گیلا مال اوپر رہنا چاہیے تھا تاکہ خریدنے والے اس کو دیکھ سکتے۔ جس نے ملاوٹ کا مال فروخت کیا وہ ہم میں سے شمار نہیں کیا جائے گا۔"

اس کے برعکس نیک اور دیانت دار تاجر کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے فرمایا:

(اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ يَكُوْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ)

(مشکوٰۃ باب المساھلۃ فی المعاملۃ)

''سچ بولنے والا تاجر قیامت کے دن انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔''

اخلاقی قدروں کا احیاء کرتے ہوئے آپ ﷺ نے تاجروں کو تلقین فرمائی کہ جھوٹی قسمیں اٹھانے سے پرہیز کیا جائے کیونکہ اس سے بظاہر تجارت میں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن برکت اٹھالی جاتی ہے۔ اسی طرح ناپ تول میں کمی کو سنگین جرم قرار دیا اور قرآن حکیم کے حوالے سے اہل مدین کی تباہی کا مرکزی سبب اوزان میں عدم توازن قرار دیا گیا ہے:

﴿اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ۝﴾ (الشعراء: ۱۸۱)

''ماپ تول پورا رکھو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔''

اور آگے چل کر فرمایا:

﴿فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ۝﴾ (الشعراء: ۱۸۹)

''جب انہوں نے انکار کر دیا تو ان کو ''بادل'' کے عذاب نے گھیر لیا۔''

پھر آپ ﷺ نے مالک اور مزدور کے معاملات کو درست کرنے کے لیے فرمایا: جو ملازم اپنی ڈیوٹی صحیح ادا کرتے ہوئے نماز اور دینی امور کا خیال رکھتا ہے محشر کے روز اسے ڈبل اجر سے نوازا جائے گا اور مالک کو مزدور کے حقوق کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ طے شدہ مزدوری سے زیادہ کام لینے کی کوشش نہ کی جائے۔ اور اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے معاوضہ ادا کر دینا چاہیے۔ غلاموں کے بارے میں وہ انداز اختیار فرمایا جس سے غلامی کی زنجیر کی ایک ایک کڑی ٹوٹتی اور کھلتی چلی گئی۔

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے یہ تمہارے بھائی ہیں ان کی عزت واحترام کا خیال رکھتے ہوئے جیسا خود کھاؤ ویسا ہی انہیں کھلایا اور پہنایا کرو۔ اس ماحول کا نتیجہ یہ نکلا کہ غلامی چند ہی سالوں میں اپنے اختتام تک پہنچ گئی۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے گو اسلام کی اس عظیم خدمت کی وجہ سے لوگ غلامی کی زندگی سے نجات پا چکے ہیں۔ لیکن وہ خاندانی

ملازم جو سالہا سال یا نسل در نسل آپ کی خدمت کر رہے ہیں۔ ان کے حقوق بھی غلاموں کی طرح پورے کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ کیونکہ چوبیس گھنٹے آپ کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے وہ کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتے۔ اس لیے ان کے بچوں تعلیم اور دیگر ضروریات کا خیال رکھنا چاہیے۔

مزدوروں کی عزت اور حق خدمت کا تحفظ

(عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَیْدِیْكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ اَخَاهُ تَحْتَ یَدَیْهِ فَلْیُطْعِمْهُ مِمَّا یَاْكُلُ وَلْیُلْبِسْهُ مِمَّا یَلْبَسُ وَلَا یُكَلِّفْهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا یَغْلِبُهُ اِنْ كَلَّفَهُ مَا یَغْلِبُهُ فَلْیُعِنْهُ عَلَیْهِ) (بخاری ومسلم و مشکوٰۃ باب النفقات)

”حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ غلام تمہارے بھائی ہیں اللہ نے ان کو تمہارا ماتحت بنا دیا ہے اللہ تعالیٰ جس کے زیر دست کسی بھائی کو کرے تو مالک کو چاہیے اس کو وہ کھلائے اور پہنائے جو وہ خود استعمال کرتا ہے۔ اس کے ذمے ایسا کام نہ لگائے جو اس کو کرنا مشکل ہو ایسی صورت میں اسے خود بھی اس کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔“

(عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَنَعَ لِاَحَدِكُمْ خَادِمُهُ طَعَامَهُ ثُمَّ جَاءَ بِهٖ وَقَدْ وَلِیَ حَرَّهُ وَدُخَانَهُ فَلْیُقْعِدْهُ مَعَهُ فَلْیَاْكُلْ فَاِنْ كَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوْهًا قَلِیْلًا فَلْیَضَعْ فِیْ یَدِهٖ مِنْهُ اُكْلَةً اَوْ اُكْلَتَیْنِ)

(مشکوٰۃ باب النفقات)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کسی کا خادم اس کے لیے کھانا تیار کر کے لائے تو آقا کو چاہیے کہ اس خادم کو اپنے ساتھ شریک کرے اگر کھانا تھوڑا ہو (یا مہمان وغیرہ ہوں) تو اس کھانے میں سے چند لقمے اسے دے دینے چاہییں کیونکہ اس نے کھانا پکانے اور بنانے کے وقت دھواں اور گرمی برداشت کی ہے۔“

(عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لِسَیِّدِہٖ وَاَحْسَنَ عِبَادَۃَ رَبِّہٖ فَلَہٗ اَجْرُہٗ مَرَّتَیْنِ) (متفق علیہ)

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ذکر کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب کوئی غلام اپنے آقا کی خیر خواہی اور وفاداری کرتے ہوئے اپنے رب کی عبادت بھی صحیح طریقے سے کرتا ہے تو رب کی بارگاہ میں اسے ڈبل اجر سے نوازا جائے گا۔‘‘

(عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَّہٗ حَدًّا لَّمْ یَاْتِہٖ اَوْ لَطَمَہٗ فَاِنَّ کَفَّارَتَہٗ اَنْ یُّعْتِقَہٗ)

(مشکوٰۃ باب النفقات)

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جس کسی نے اپنے غلام کو بلاوجہ سزا دی اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔‘‘

(عَنْ عَلِیٍّ قَالَ اٰخِرُ کَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَلصَّلٰوۃَ اَلصَّلٰوۃَ وَاتَّقُوا اللّٰہَ فِیْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ) (مشکوٰۃ باب النفقات)

’’حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی محترم ﷺ کا آخری کلام یہ تھا' لوگو! نماز کی پابندی کرتے رہو اور اپنے ماتحتوں کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔‘‘ (بخاری)

☆ جیسا کھاؤ ویسا کھلاؤ۔

☆ دیانتدار تاجر انبیاء کا ساتھی ہوگا۔

☆ ملاوٹ قتل اور امت سے خارج ہونے کے مترادف ہے۔

☆ آپ ﷺ کی وصیت نماز اور ماتحتوں کا خیال رکھنا۔

☆☆☆

مسجد سکون اور اطمینان کا خزینہ اور اللہ کی رحمتوں کا مرکز

روئے زمین پر اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ اور مقام مسجد ہے جس کو ذکر وفکر اور اللہ کے حضور سجدہ گاہ بنایا گیا ہے نبی محترم ﷺ نے اس ٹکڑا زمین کو اللہ کے باغوں میں سے ایک باغ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! اللہ کے باغوں میں داخل ہو کر خوب سیر ہو کر کھایا کرو۔ لوگوں نے پوچھا اللہ کے باغ کون سے ہیں اور ان میں کھانا پینا کیسا؟ آپ ﷺ فرماتے ہیں مسجدیں اللہ کا گھر ہیں اور روح کے لیے ذکر واذکار تازہ پھل کھانے کے مترادف ہیں۔ (مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلاۃ)

جس طرح گلشن وباغیچے کو صاف ستھرا رکھا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق مسجد روح ونفس اور جسم وجان کے لیے روحانی اور خدائی باغ ہیں۔ انہیں تو ہر حال میں پاک صاف اور ستھرا رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی تعمیر کرنے والے دو پیغمبروں سے یہی وعدہ لیا تھا کہ میرے گھر کو ہر طرح سے پاک صاف رکھنا۔

﴿ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۝ ﴾ (البقرہ: ۱۲۵)

”ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام سے وعدہ لیا تھا کہ میرے گھر کو طواف، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا۔“

اللہ کے گھر کی ظاہری صفائی یہ کہ اسے گردوغبار، جنگ وجدال اور فتنہ وفساد سے پاک رکھا جائے۔ پہلے پارے میں ارشاد ہے کہ جو لوگ مسجدوں کے ماحول کو خراب اور ان میں فتنہ وفساد پیدا کرتے ہیں ان کے لیے مسجدوں میں ایسی کڑی نگرانی کا ماحول اور اخلاقی دباؤ ہونا چاہیے کہ وہ مسجد میں شرارت کرتے ہوئے خوف محسوس کریں۔

مسجدوں میں سکون اور ان میں آنے والے تب ہی ذوق وشوق کے ساتھ آئیں گے کہ مساجد میں صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ ساتھ پرسکون ماحول پیدا کیا جائے۔ مسجدوں میں

بے وجہ گفتگو اور شور وغوغا نمازیوں کے سکون اور عبادت کے ذوق وشوق کو تباہ کر دیتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں دو آدمیوں کو بلند آواز میں باتیں کرتے ہوئے سنا تو ان کو ہلکی سی ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا کہ تم دیہاتی ہو اور تمہیں مسجد کے آداب کا علم نہیں اگر تم مدینے کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سخت سزا دیتا۔

(مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلاۃ)

اخلاقیاتِ عالم کا مسلمہ اصول ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے کے گھر جائے تو وہ اپنی عزت اور دوسرے کے احترام کی خاطر لڑائی جھگڑے حتیٰ کہ آواز اونچی کرنے سے بھی کتراتا ہے۔ مسجد تو رب ذوالجلال کا گھر ہے۔ اللہ کی سطوت وجبروت اور اس کے گھر کا احترام یہ ہے آدمی ہر اعتبار سے وقار اور سنجیدگی کا مظاہرہ کرے۔ جو شخص اللہ کے گھر کا احترام نہیں کرتا اس کے بارے میں یہ انتباہ ہے:

﴿ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ﴾

(البقرہ: ۱۱۴)

''وہ دنیا وآخرت میں ضرور ذلیل وخوار ہو کر رہیں گے۔''

مسجد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی سمع وطاعت کی تربیت گاہ، رحمت خداوندی کا مرکز اور اس کی تجلیات کی جگہ ہے۔ اس لیے یہاں آنے والے کو یہ تعلیم دی گئی کہ مسجد میں دایاں قدم رکھتے ہی اللہ کی رحمتوں کے حصول کے لیے یہ دعا کرتے ہوئے مسجد میں داخل ہونا چاہیے۔

(اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ)(مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلاۃ)

''اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجیے۔'' نکلتے ہوئے یہ کلمات پڑھے:

(اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ) (مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلاۃ)

''اے اللہ! میں آپ کے فضل کا طلب گار ہوں۔''

اس رحمت گاہ کی تعمیر اور اسے ہر انداز سے آباد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اس

بشارت سے سرفراز فرمایا ہے:

﴿اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (التوبہ: ۱۸)

"بے شک مساجد کی تعمیر میں وہی لوگ حصہ لیتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔"

فرقہ واریت کا مرکز مسجدیں

اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کے قیام کی سب سے بڑی غرض و غایت یہ بیان فرمائی ہے کہ ان میں صرف اور صرف اللہ کی عبادت، اس کی توحید کا پرچار، مسلمانوں کی محبت و یگانگت اور وحدت و اتحاد کی علمبردار ہونی چاہیے۔ جس مسجد میں توحید و رسالت اور مسلمانوں کی وحدت کے خلاف تعلیم و تبلیغ دی جا رہی ہو ایسی مسجدوں پر انتظامیہ کی گہری نگاہ اور ضرورت پڑے تو زبردست مؤاخذہ ہونا چاہیے۔ اب یہ فیصلہ کرنا تو بہت ہی مشکل ہے کہ کونسی مسجد، مسجد ضرار کا درجہ اختیار کر گئی ہے اور اس کو منہدم کر دینا ہی واحد حل ہے۔ نبی اکرم ﷺ تو براہ راست اللہ کی نگرانی و ہدایت میں کام کرتے تھے اس لیے آپ ﷺ کو ایسی مسجد کو گرانے کا حکم ہوا جس میں امت کے خلاف تخریب کاری ہو رہی تھی۔

﴿وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ کُفْرًا وَّ تَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ لَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰی وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ فِیْهِ رِجَالٌ یُحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ﴾ (التوبہ: ۱۰۷، ۱۰۸)

"وہ لوگ جنہوں نے مسجد کو باعث تکلیف، کفر اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ بازی کا ذریعہ اور اس آدمی کے لیے جائے پناہ بنایا ہے جو اللہ رسول سے جنگ کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگرچہ وہ قسمیں اٹھا رہے ہیں کہ ان کا بھلائی کا ارادہ ہے۔ اللہ گواہی دیتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔ لہٰذا اس مسجد میں کبھی قیام نہ کیجیے۔ بلکہ اس

مسجد میں تشریف لے جایئے جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقویٰ پہ رکھی گئی ہے۔ وہاں جانا آپ کا بہت ضروری ہے کیونکہ وہاں کے نمازی نہایت ہی پاک باز ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی پاک باز لوگوں کو پسند کرتا ہے۔''

مسجد کے روحانی اور نفسیاتی اثرات

مسجد کا ماحول جس قدر پر سکون' صفائی اور اخلاق کے اعتبار سے صاف ستھرا ہوگا اسی قدر ہی نمازی حضرات کو روحانی اور نفسیاتی فائدہ اور سکون و قرار حاصل ہوگا۔ مسجد میں دل جمعی کے ساتھ بیٹھنا اور فکر و نظر کی یکسوئی کے ساتھ اللہ کا گھر سمجھ کر اس کی بارگاہ میں حاضری کا تصور لیے ہوئے ٹھہرے رہنا بے پناہ روحانی اور نفسیاتی فوائد سے بھرپور عمل ہے۔

اس گئے گذرے دور میں کوئی شخص اس نیت و ارادے کے ساتھ بیٹھ کر اندازہ کر سکتا ہے کہ جو سکون' سکون آور گولیوں' راحت بخش فضاؤں اور طعام و قیام کی لذتوں سے حاصل نہیں ہوتا' وہ اللہ کے گھر میں چند لمحے گذارنے سے اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ آدمی کی بے چینی اور مضطرب طبیعت میں قرار و اطمینان کے جھونکے اس کی طبیعت کو ڈھارس اور اس کی روح کو بہلا رہے ہوتے ہیں۔

اس سکون و اطمینان اور روحانی اثرات کا تسلسل فقط اس دنیا تک ہی نہیں بلکہ اسکے نتائج لامتناہی مستقبل پر اس طرح مرتب ہوں گے کہ محشر کے دن سورج کی شدت و حرارت کی وجہ سے پسینے میں شرابور لوگ تپش اور گرمی کی بنا پر اس طرح دکھائی دیں گے۔ جیسے کوئی بھاری نشہ استعمال کرنے کے بعد لڑکھڑا رہا ہوتا ہے۔

اس ہولناک موقع پر عرش معلّٰی سے سات قسم کے لوگوں کے لیے اعلان ہوگا۔ کہ یہ لوگ میرے عرش کے سائے میں تشریف لے آئیں ان میں ایک طبقہ وہ ہوگا جو مسجد میں پروقار اور مکمل اطمینان کیساتھ بیٹھا کرتا تھا۔ (مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلاۃ)

از قلم: میاں محمد جمیل ایم۔اے

معاشرتی اور سماجی نتائج وثمرات

دیکھنے والوں کے لیے یہ سچائی کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ جو افسران یا اثر ورسوخ اور سماجی لحاظ سے بڑے لوگ مسجدوں میں پانچ وقت حاضری کی سعادت سے سرفراز ہوتے ہیں' چند لوگوں کو چھوڑ کر ایسے افسران اور سرکردہ حضرات میں وہ رعونت اور تکبر نہیں پایا جاتا جو مسجدوں سے دور رہنے والے اعلیٰ حکام اور بڑے لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ ایسے افراد تک عوام کی رسائی ہزار پابندیوں کے باوجود آج بھی بہت آسان دکھائی دیتی ہے۔ مسجدوں میں حاضری کی وجہ سے انکے رویہ میں شفقت اور محبت کا پہلو غالب رہتا ہے۔ جب تک اقتدار میں شریک لوگ مسجد میں آیا کرتے تھے اس وقت عوام اور حکام کے درمیان اتنا خلا نہیں تھا۔ اس لیے ہم جس قدر بھی مسجدوں کے ساتھ وابستگی پیدا کریں گے روحانی اور معاشرتی ترقیوں کو پانا ہمارے لیے آسان ہوگا۔

احسان مندی کا فطری اور طبعی تقاضا

انسان کیا آپ حیوان کے ساتھ چند روز پیار اور شفقت کا انداز اختیار کریں تو وہ بھی دم ہلاتا ہوا آپ کے پاؤں چومتا' چاٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ سر جھکا کر اپنے آقا کے قریب تر رہنے کی کوشش کرتا ہے۔

کبھی آپ نے سوچا ہے کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ صرف اس لیے کہ آپ نے اس کے ساتھ احسان مندی اور شفقت کا انداز اختیار کیا ہے جس کی وجہ سے وہ آپ کے ہاتھ پاؤں چاٹتے ہوئے آپ کے احسانات کا اعتراف کر رہا ہے۔ خالق حقیقی نے انسان کو کن کہہ کر پیدا نہیں کیا بلکہ اپنے دست مبارک سے اس کا خمیر اور ڈھانچہ تیار کرنے کے بعد اس میں اپنی روح القا فرمائی۔ ہر آن اپنی نعمتوں اور عنایتوں سے اس کے مرتبے کو دو چند کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر انسان ایک پل بھی نہیں گزار سکتا۔ ان انعامات کا طبعی اور فطری تقاضا یہ تھا اور ہے کہ ہم اس کی احسان مندیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی یاد میں

مصروف رہیں ۔ یہ تبھی ہوسکتا ہے کہ انسان کا دل اس کی نعمتوں کے شکریئے کے احساس سے لبریز ہو۔ پھر اس کا منطقی نتیجہ ہوگا کہ ہمارے سر اور دل اس کے حضور سرافگندگی کو فرض ہی نہیں اپنے لیے سعادت مندی محسوس کریں گے۔

ذکر وفکر کا بہترین انداز

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ذکر وفکر کا جو انداز بہترین تصور کیا گیا ہے وہ پوری مستعدی کے ساتھ مسجد میں آ کر پانچ وقت با جماعت نماز ادا کرنا ہے ۔لیکن افسوس کی انتہا ہو چکی ہے۔ کہ جانور جو انسان کے مقابلے میں عقل وفکر' مرتبہ ومقام اور اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے اعتبار سے اس کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا' وہ اپنے آقا کو دیکھ کر اس کی قدم بوسی کے لیے دوڑتا ہوا آئے مگر آج کا مسلمان اللہ کے حضور پانچ وقت نماز پڑھنے کی فرصت نہیں پاتا یہ انداز پرلے درجے کی ناشکری اور فطرت سے انحراف کی آخری دلیل ہے۔اسی لیے قرآن مجید نے ایسے شخص کو اللہ کا باغی' نافرمان اور متکبر قرار دیا ہے۔اس کردار کی سزا بے قراری اضطراب' بے چینی تفکرات کا ہجوم' دنیا میں بیماریوں اور پریشانیوں کے ساتھ آخرت میں انتہائی نافرمان اور اللہ کے باغیوں کیساتھ اسکا شمار کیا جائے گا۔

ذکر وفکر کے انداز اور فائدے

اکثر لوگوں کے ذہن میں ذکر وفکر کا صرف یہی مفہوم سمایا ہوا ہے کہ ذکر کا معنی یہ ہے کہ آدمی زبان سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتعریف کرتا چلا جائے ۔جبکہ دین کے نقطۂ نظر سے ذکر اپنے معانی اور مفہوم میں بڑی وسعت اور کشادگی رکھتا ہے۔اس کی مختلف صورتیں اور شکلیں متعین کی گئی ہیں۔فکر وخیالات میں مالک حقیقی کی یاد' رکوع وسجود میں اس کی کبریائی کا اعتراف' صدقہ وخیرات کرتے ہوئے اس کی نعمتوں کا ادراک' گویا کہ ہر حال میں اس کے نام اور صفات کی یاد کو ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ذکرِ لسانی کی صورتیں متعین کرتے ہوئے قرآن وسنت میں اس کی لازمیت کے ساتھ یہ ہدایات جاری کی گئی ہیں کہ ذکر ہر حال میں

کرنا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے اذکار کے بارے میں فرماتی ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ ہر حال میں اپنی زبان کو ذکر الٰہی سے تر رکھتے تھے۔

ذکر کرتے ہوئے خشیتِ الٰہی اور اس کی رحمتوں کا حصول آدمی کی منزل اور پھر ذکر میں تضرع اور اللہ کی بارگاہ میں فکر و نظر کی حاضری کا تصور ہر لمحہ شامل حال رہنا چاہیے جو لوگ ذکر کرتے ہوئے اللہ کی بے پایاں رحمتوں کی طرف توجہ رکھنے کی بجائے اپنی تکلیف اور مشکل کو ذہن پر مسلط رکھتے ہیں ان کو ذکر و فکر کے وہ ثمرات حاصل نہیں ہوتے جو ذکر الٰہی کا بنیادی اور فطری نتیجہ ہیں۔ اس لیے ذکر کا حقیقی انداز یہ ہونا چاہیے کہ ذاکر دنیا میں اللہ کی رحمتوں کی امید کرتے ہوئے آخرت میں بھرپور اجر و ثواب پر یقین رکھتا ہو۔

اوقات

﴿ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ ﴾ (آل عمران: ١٩١)

''مومن بیٹھتے' اٹھتے اور لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر اور زمین و آسمان کی تخلیق کے متعلق غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔''

(كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانٍ)

(مشكوٰة باب مخالطة الجنب ومايباح له)

''رسول اللہ ﷺ! ہر وقت ذکر کرتے رہتے تھے۔''

طریقہ

﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَاتَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ ﴾ (الاعراف: ٢٠٥)

''اپنے رب کا خشوع و خضوع اور خفیہ' آہستہ آہستہ صبح و شام ذکر کرتے رہیں اور اس سے غافل نہ ہوں۔''

﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ ﴾

(الاعراف: ۵۵)

''اپنے رب کا عاجزی اور آہستگی سے ذکر کرتے رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں فرماتے۔''

دنیا وآخرت کے فوائد

اللہ کی دستگیری کا شرف:

﴿ فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝ ﴾ (البقرہ: ۱۵۲)

''مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکریہ ادا کرو اور میری نعمتوں کی ناقدری نہ کرو۔''

قلب ونظر کا سکون

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝ ﴾ (الرعد: ۲۸)

''جو ایماندار ہیں ان کے دل صرف اللہ کے ذکر سے ہی مطمئن ہوتے ہیں۔ یاد رکھیے اللہ کا ذکر ہی دلوں کے لیے اطمینان کا باعث ہے۔''

دنیا میں کامیابی کی ضمانت

﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (الجمعه: ۱۰)

''اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کیا کرو تا کہ کامیاب ہوسکو۔''

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (الانفال ۴۵۔۱۰)

''اے ایمان والو! جب تم مخالف کے ساتھ پنجہ آزمائی کرو تو اللہ کو زیادہ سے

زیادہ یاد کرو تا کہ کامیابی تمہارا مقدر بن جائے۔"

آخرت میں سرخروئی

﴿ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ (الاحزاب: ۳۵)

"اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں، اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

ذکر نہ کرنے کے نقصانات

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾

(الحشر: ۱۹)

"ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے تو اللہ نے انہیں بھلا دیا۔ یہ نافرمان لوگ ہیں۔"

دل کا سخت ہو جانا

﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝﴾ (الحدید: ۱٦)

"کیا ایمانداروں پر وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد اور سچائی کے سامنے جھک جائیں ان کو اھل کتاب کی طرح نہیں ہونا چاہیے۔ جب ان پر ایک عرصہ گزر گیا تو ان کے دل سخت ہوتے چلے گئے اور ان کی اکثریت نافرمان ہو گئی۔"

☆☆☆

رزق کی تنگی اور برکت کا اٹھ جانا

﴿ وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴾ (طه: ١٢٤)

''جواللہ کے ذکر سے روگردانی کرے گا اس کی معیشت تنگ ہو جائے گی اور وہ روزِ محشر اندھا کر کے اٹھایا جائے گا۔''

آدمیت پہ شیطان کا تسلط

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾

(الزخرف: ٣٦)

''جس نے اللہ کی یاد سے آنکھیں پھیر لیں ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں۔''

☆☆☆

☆ مسجدیں اللہ کے باغ۔

☆ باغ صاف ستھرے ہی ہوا کرتے ہیں۔

☆ مسجد سے وابستگی اللہ سے محبت کے مترادف ہے۔

☆☆☆

اللہ کے حضور معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیجیے

انسانی فطرت وکردار کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان خطا کا پتلا ہے اور اس سے غلطی کا ارتکاب ہو ہی جاتا ہے۔ مگر انسانیت یہ ہے کہ بندہ بغاوت وسرکشی اور اس پر اصرار کرنے کی بجائے اعتراف ومعذرت کا رویہ اختیار کرے۔ اس سے روح پاک اور ضمیر ہلکا ہونے کے ساتھ کردار افکار میں پاکیزگی اور اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

(كُلُّ بَنِيْ آدَمَ خَطَّآءٌ وَّخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ)

(مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبہ)

"آدم کے ہر بیٹے سے خطا ہو جاتی ہے۔ ان خطا کاروں میں وہ بہتر ہیں جو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر لیتے ہیں۔"

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ۝﴾ (آل عمران: ۱۳۵)

"وہ لوگ جب غلطی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں یا اپنے اوپر کوئی ظلم کر لیتے ہیں تو وہ اللہ کو یاد کر کے اس سے معافی کے طلب گار ہوتے ہیں۔ اللہ ہی معاف کرنے والا ہے۔ جب انہیں غلطی کا علم ہو جاتا ہے تو پھر اس پر اصرار نہیں کرتے۔"

اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید ہی نہیں یقین رکھیے کیونکہ نا امیدی اور مایوسی مومنوں کا نہیں اللہ کے منکروں اور کافروں کا شیوہ ہے۔ خدا سے مایوسی پرلے درجے کی گمراہی' آخرت کے لیے تباہ کن اور بسا اوقات دنیا میں خودکشی کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے گناہ گار بندوں کو اس طرح اطمینان دلاتا ہے کہ اے میرے خطا کار بندو! اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کی طرف نہیں میری رحمتوں اور کرم نوازیوں کی طرف دھیان رکھو۔ میں تمہارے گناہوں پر خفا تو ہوتا ہوں' صرف اس وقت تک جب تک تم مجھ سے معافی طلب نہیں کرتے۔

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ﴾ (الزمر: ۵۳)

''اے میرے گناہ گار بندو! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوا کرو۔''

اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے سے کس قدر خوشی ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک مسافر کا واقعہ بیان فرمایا کہ وہ دوران سفر چلتے چلتے تھک کر ستانے لگا۔ ابھی سویا ہی تھا کہ اس کی اونٹنی کی نکیل کھل گئی اور وہ جنگل میں غائب ہوگئی۔ مسافر کا سامان بھی اونٹنی پر تھا۔ سامان کیا گیا جان ہی چلی گئی۔ وہ کوشش بسیار کے بعد مایوسی کے عالم میں آنکھیں بند کر کے نڈھال لیٹ جاتا ہے۔ موت و حیات کی فکرمندیوں میں لیٹا ہوا مسافر درختوں کے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ سن کر نیم مردگی کے عالم میں اٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ اونٹنی سامان سمیت اس کے سامنے کھڑی ہے۔ خوشی کے مارے وہ پھولا نہیں سما رہا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ساتھیو! بتلاؤ اس کی خوشی کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ مسلمان کی معذرت خواہی پر اس سے کہیں زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ (مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبہ)

اللہ تعالیٰ سے معذرت جس کو توبہ و استغفار کے نام سے یاد کیا گیا ہے اس کے بارے میں مکہ معظمہ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو تاریخ عالم میں آج تک رونما نہیں ہوا۔ خدا کے نافرمان مکے کے سردار بیت اللہ کے صحن میں جمع ہو رہے ہیں۔ وہ غیظ و غضب میں اس قدر اندھے ہوئے جا رہے ہیں کہ آگے بڑھ کر کعبۃ اللہ کے غلاف کو جھٹکا دیتے ہوئے رب ذوالجلال کی غیرت کو اس طرح چیلنج کرتے ہیں:

﴿ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ (انفال: ۳۲)

''اگر واقعتاً یہ قرآن تیری طرف سے ہے تو پھر آسمان سے ہمارے اوپر پتھر برسنے چاہییں یا ہمیں المناک عذاب میں گرفتار کر لیجیے۔''

اس واقعہ سے مکے میں کہرام مچ گیا۔ لوگوں کی نیندیں حرام ہوگئیں۔ عورتیں بے

قراری کے عالم میں چیخیں مارتی ہیں۔ ہر سننے والا خوف کے مارے یہ کہتا ہوا سنائی دیتا ہے اب خدا کے غضب سے بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں مگر اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم، فضل و تحمل اور توبہ و استغفار کی برکات دیکھیں۔ عرش معلی سے جواب آتا ہے:

﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴾ (الانفال: ۳۳)

''اللہ تعالیٰ کے ان پر عذاب نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان میں استغفار کرنے والے مسلمان اور آپ ﷺ کی ذات گرامی بھی موجود ہے۔''

توبہ بوجھ نہیں

ماضی کی غلطیوں، گناہوں اور جرائم پر احساس ندامت اور آئندہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کا نام توبہ استغفار ہے۔ انسان کے گناہ کتنے ہی اور کس قسم کے کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ نہ صرف معاف کرتے ہیں بلکہ خالص توبہ و استغفار کرنے والے کی سابقہ غلطیوں کو حسنات میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

﴿ اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ﴾ (الفرقان: ۷۰)

''اللہ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔''

اس لیے بعض علماء کی یہ بات قرآن و سنت کی فکر کے سراسر خلاف ہے کہ ایک شخص کے تائب ہونے کے باوجود اسے سابقہ روزے اور نمازیں پڑھنے کا حکم یا احتیاط کے طور پر دہرانے کی تلقین کی جائے۔ یہ وہ بار گراں ہے جس کے اٹھانے کا قرآن و سنت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ایسے علماء کے بے جا فتووں اور خود ساختہ فکر کی وجہ سے بے شمار مسلمان توبہ کو بھی بوجھ تصور کرتے ہیں۔ جبکہ توبہ بوجھ اتارنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ بشرطیکہ پورے اخلاص کے ساتھ کی جائے۔

البتہ حقوق العباد ادا کرنے کی ہمت ہو تو پھر ان کو ہر صورت ادا کرنا توبہ کا لازمی حصہ

ہے۔ اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ کے حضور عجز وانکساری سے معذرت کرتے رہنا چاہیے۔ سرور دو عالم ﷺ اپنے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں میں شب وروز میں اپنے رب سے ستر مرتبہ توبہ استغفار کرتا ہوں۔ (مشکوۃ باب الاستغفار والتوبہ)

یاد رہے کہ اس زمانے میں عرب معاشرے میں ستر کا ہندسہ انتہائی مبالغے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس لیے آپؐ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ انسان کو رب کی بارگاہ میں کثرت سے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتے رہنا چاہیے۔

استغفار کے الفاظ

﴿ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۝ ﴾ (المومنون: ۱۱۸)

''اے اللہ! معاف فرما دیجیے۔ آپ بہترین معاف فرمانے والے ہیں۔''

(اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ) (ترمذی کتاب الدعوات)

''اے اللہ! معاف فرما دیجیے اور رحم فرمائیے۔''

(اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ)

(مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبہ)

''میں اللہ کی بارگاہ سے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

☆☆☆

☆ توبہ اور استغفار دنیا اور آخرت میں اللہ کے غضب سے محفوظ رہنے کی ضمانت۔

☆ اللہ کے حضور معذرت خواہی انسانیت کا شرف ہے۔

☆ توبہ استغفار سے انسان گناہوں سے پاک اور ضمیر ہلکا ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

مجلس کے اثرات و ثمرات

ماں باپ کی صحبت کے بعد آدمی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والے مجلس و صحبت کے اثرات ہوا کرتے ہیں انسان جس قسم کی مجلس و محفل اختیار کرے گا۔ اسی قسم کے ہی اثرات و نتائج طبع انسانی پر اثر انداز ہونگے۔ یہ اثرات اس قدر برق رفتاری کے ساتھ انسان کی شخصیت پر مرتب ہوتے ہیں کہ جس کا اندازہ نبی محترم ﷺ کے اس ارشاد سے لگایا جاسکتا ہے:

(عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنْ اَبِیْهِ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ الْجَلِیْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِیْسِ السُّوْءِ کَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَکِیْرِ الْحَدَّادِ لَا یَعْدِمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ اِمَّا اَنْ تَشْتَرِیَهُ اَوْتَجِدَ رِیْحَهُ وَکِیْرِ الْحَدَّادِ اِمَّااَنْ یُحرِقَ بَیْتَكَ اَوْ ثَوْبَكَ اَوْ تَجِدَ مِنْهُ رِیْحًا خَبِیْثَةً)

(مشکوٰۃ باب الحب فی اللہ ومن اللہ)

''حضرت ابوموسیٰ علیہ السلام اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا کہ اچھی بری مجلس کی مثال اس طرح ہے جیسے خوشبو کی دوکان اور لوہار کی بھٹی۔ اگر کوئی شخص پرفیوم بیچنے والے کے پاس بیٹھے گا تو چاہے وہ خریدار نہ ہو اسے خوشبو از خود پہنچ جائے گی اور اسکے مقابلے میں لوہار کی بھٹی کے قریب بیٹھنے والا اگر آگ کی چنگاری سے بچ جائے تو وہ دھویں کے مہلک اثرات سے نہیں بچ سکتا۔''

مذکورہ ارشاد کی روشنی میں نتائج کے اعتبار سے مجالس کی دو ہی قسمیں ہوسکتی ہیں ایک وہ جس میں افکار و نظریات کا حسن پایا جائے اور دوسری میں افکار و نظریات کی پراگندگی پائی جائے۔ قرآن حکیم نے اچھی مجالس کو فروغ دینے کے لیے فرمایا:

﴿ لَاخَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِنْ نَجْوٰهُمْ اِلَّامَنْ اَمَرَبِصَدَقَةٍ اَوْمَعْرُوْفٍ

اَوْاِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًاo ﴾ (النسآء: ۱۱٤)

''لوگوں کی اکثر مجالس میں بھلائی نہیں ہوتی۔ہاں اگر کوئی صدقہ وخیرات کی تلقین، کسی نیکی کے کام یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح کرنے کے لیے کسی سے کچھ کہے تو یہ بھلی بات ہے۔''

آپ ﷺ کی مجلس کے اثرات

نبی محترم ﷺ عام حالات میں سورج طلوع ہونے کے بعد تک مسجد میں تشریف فرما رہتے۔لوگ آپ ﷺ کے سامنے اپنے خواب پیش کرتے جس کی موقع پر تعبیر بیان کردی جاتی، اسی جگہ آپ ﷺ مقدمات کے فیصلے صادر فرماتے، ایسی ہی نشست میں مال غنیمت تقسیم کیا جاتا اور انہیں مجالس میں لوگ سابقہ زندگی میں ہونے والے جہالت کے واقعات بیان کرتے۔بسا اوقات نبی محترم ﷺ جہالت کے مضحکہ خیز واقعات سن کر ان پر تبسم فرما کر اپنے جذبات کا اظہار کرتے۔(سیرۃ النبی)

آپ ﷺ کی مجلس کے روحانی اثرات وثمرات کا یہ عالم تھا کہ جب آپ ﷺ جہنم کی ہولناکیوں کا بیان کرتے تو سننے والے یوں محسوس کرتے جیسے آگ کے انگارے ان کو دبوچنے ہی والے ہیں۔اور جب اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمتوں اور نعمتوں کا ذکر ہوتا تو مجلس میں بیٹھنے والا ہر شخص ایسے محسوس کرتا ہے جیسے وہ براہ راست جنت کا نظارہ کر رہا ہو۔

(وَعَنْ حَنْظَلَةَ ابْنِ الرَّبِیْعِ الْاُسَیْدِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ لَقِیَنِیْ اَبُوْبَکْرٍ فَقَالَ کَیْفَ اَنْتَ یَاحَنْظَلَةُ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا تَقُوْلُ؟ قُلْتُ نَکُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ یُذَکِّرُ بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ کَاَنَّ رَاْیَ عَیْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّیْعَاتِ نَسِیْنَا کَثِیْرًا قَالَ اَبُوْبَکْرٍ فَوَاللّٰهِ اِنَّا لَنَلْقٰی مِثْلَ ھٰذَا

فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ حَتّٰی دَخَلْنَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَۃُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَمَاذَاکَ؟ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ نَکُوْنُ عِنْدَکَ تَذْکُرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّۃِ کَاَنْ رَأْیَ عَیْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِکَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّیْعَاتِ نَسِیْنَا کَثِیْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰی مَا تَکُوْنُوْنَ عِنْدِیْ فِی الذِّکْرِ لَصَافَحَتْکُمُ الْمَلَائِکَۃُ عَلٰی فُرُشِکُمْ وَفِیْ طُرُقِکُمْ) (مشکوٰۃ باب ذکر اللّٰہ و التقرب الیہ)

"حضرت حنظلہ بن ربیع اسیدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھ سے پوچھا حنظلہ! آپ کیسے ہیں؟ میں نے کہا کہ میں تو منافق ہو گیا ہوں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جب ہم رسول محترم ﷺ کی مجلس میں ہوتے ہیں اور آپ ﷺ جنت اور دوزخ کے حالات بیان کرتے ہیں تو ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں اور جب رسول ﷺ محترم کی مجلس سے جا کر ہم اپنے بیوی بچوں اور کھیتی باڑی میں مصروف ہو جاتے ہیں تو بہت سی باتوں کے اثرات ہمارے ذہن سے نکل جاتے ہیں۔ میں اس کو منافقت پر محمول کرتا ہوں۔ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے واللہ میں بھی اپنے آپ کو اس طرح محسوس کرتا ہوں۔ پھر ہم دونوں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! میں تو منافق ہو گیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جب ہم آپ ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہمیں جنت اور دوزخ کے حوالے سے نصیحت کر رہے ہوتے ہیں تو ہماری حالت یہ ہوا کرتی ہے کہ گویا ہم براہ راست جنت و دوزخ کو دیکھ رہے ہیں۔ لیکن جب ہم آپ ؐ کی مجلس سے جا کر اپنے بیوی بچوں

اور کھیتوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو کئی باتوں کے اثرات ہماری طبیعتوں پر اس طرح باقی نہیں رہتے تب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اس ذات کبریا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم ہمیشہ اسی حالت میں رہو جو میرے پاس ہوا کرتی ہے تو ملائکہ تمہارے ساتھ تمہاری راہ گزر حتیٰ کہ تمہارے بستروں پر جا کر تم سے مصافحہ کریں۔''

پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا:

(وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً فَسَاعَةً ثَلَاثَ مَرَّاتٍ)

''حنظلہ! ایمان کی کمی بیشی کے بارے میں آدمی کی حالت ایک جیسی نہیں رہتی۔''

مجلس کے آداب

جہاں تک ممکن ہو سکے مجلس کے حلقے کو وسیع کرنا چاہیے تاکہ آنے والا جگہ پانے کے ساتھ مجلس کی طرف سے استقبالیہ انداز بھی محسوس کرے۔ جس سے اس کی حوصلہ افزائی ہو گی۔ بیٹھنے والے کیلیے یہ حکم ہے کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان گھسنے کی کوشش نہ کرے بلکہ جہاں جگہ ملے اسے وہیں بیٹھ جانا چاہیے۔ بلا ضرورت مجلس میں نمایاں ہو کر بیٹھنا آپ ﷺ کو ہرگز پسند نہ تھا۔ اسی طرح ہی لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کی بجائے بالکل وسط میں بیٹھنے والے پر ملامت کی گئی ہے۔ مجلس سے کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

(عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَا يُقِيْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْهِ وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَ تَوَسَّعُوْا) (مشکوٰۃ باب القیام)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی دوسرے کو اٹھا کر وہاں بیٹھنے کی کوشش نہ کرے۔ اس کی بجائے کشادہ ہو کر ایک دوسرے کو جگہ دینی چاہیے۔''

(عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ

رَجَعَ اِلَیْهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ) (مشکوٰۃ باب القیام)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی ضرورت کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے جب وہ واپس آئے تو اسے اپنی جگہ پر بیٹھنے کا حق ہوگا۔"

(عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَاتَجْلِسْ بَیْنَ اثْنَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا) (مشکوٰۃ باب القیام)

"حضرت عمرو اپنے والد سے اور ان کے والد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص پہلے بیٹھنے والوں کی اجازت کے بغیر ان کے درمیان نہ بیٹھے۔"

مجلس میں آپ ﷺ کا استقبالیہ انداز

(عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحْزَحَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ الرَّجُلُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فِی الْمَکَانِ سَعَةٌ فَقَالَ النَّبِیُّ اِنَّ لِمُسْلِمٍ حَقًّا اِذَا رَاٰی اَنْ یَتَزَحْزَحَ لَهٗ) (رواہ البیهقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ باب القیام)

"واثلہ بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ رسول محترم ﷺ اس کو اپنے پاس بٹھانے کے لیے تھوڑے سے کھسک گئے تو اس شخص نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ! میرے لیے جگہ تو موجود ہے تب آپ نے فرمایا کہ مسلمان پر لازم ہے کہ جب اس کا بھائی اسکے قریب بیٹھنا چاہ رہا ہو تو اسکے لیے تھوڑا سا کھسک جائے۔"

اور قرآن مجید نے اس کی یوں تلقین فرمائی:

﴿اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۝﴾

(المجادلة: ۱۱)

''جب تمہیں مجلس میں کشادگی پیدا کرنے کے لیے کہا جائے تو تم فراخی پیدا کرو اللہ تمہیں کشادگی عطا فرمائے گا۔''

پھر مجلس کے کفارے کا تذکرہ کرتے ہوئے تلقین فرمائی کہ مجلس سے اٹھتے وقت اللہ کا ذکر بہر صورت کرنا چاہیے۔

باضابطہ مجالس کی گفتگو کو امانت قرار دیا گیا ہے۔

(اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ) (باب الحذر و التانی فی الامور)

''مجلسیں امانت ہوا کرتی ہیں۔''

اپنے لیے استقبالیہ قیام پسند نہ تھا

آپ ﷺ نے اس طریقے کو بھی امت کے لیے مکروہ جانا ہے کہ ایک آدمی اپنی جگہ پر چمٹا رہے اور لوگ اس کے لیے عاجزانہ طور پر سرو قامت کھڑے رہیں۔ اس ہیئت کذائی سے آقا و غلام کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح ایک طرف عاجزی اور فروتنی کا اظہار اور دوسری طرف سے غرور و تمکنت کا مظاہرہ ہو رہا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ آپ ﷺ تشریف لائیں اور لوگ آپ ﷺ کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جائیں۔

(عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُتَّكِئًا عَلٰى عَصًا فَقُمْنَا لَهٗ فَقَالَ لَا تَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا)

(مشکوٰۃ باب القیام)

''ابو امامہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ ہاتھ میں چھڑی لیے ہوئے ہماری مجلس میں تشریف لائے تو ہم احتراماً آپ ﷺ کے لیے کھڑے

ہو گئے اس وقت آپ ؐ نے فرمایا کہ اس طرح نہ کھڑے ہوا کرو جس طرح غیر مسلم ایک دوسرے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔"

یعنی جس شخص کے لیے کھڑا ہوا گیا ہے وہ تو بیٹھ جائے اور دوسرے کھڑے رہیں۔ افسروں کو اس ارشاد کا خصوصی خیال رکھتے ہوئے انگریزی کی بجائے اسلامی کلچر کو فروغ دینا چاہیے۔ اس غیر مسلم تہذیب کی آپ ﷺ نے سخت الفاظ میں حوصلہ شکنی فرمائی ہے۔ آپ ؐ کا ارشاد ہے:

(مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)

(ترمذی' ابو داؤد' مشکوٰۃ باب القیام)

"جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ میرے آنے پر لوگ کھڑے ہوں اسے اپنا انجام جہنم سمجھنا چاہیے۔"

ملاقات کی اس شکل کو اخلاقی اور دینی قدروں کے منافی قرار دیا۔ اسی بناء پر ساتھیوں میں نمایاں اور اونچی جگہ بیٹھنا آپ ﷺ کو ہرگز پسند نہ تھا۔ اکثر اوقات اجنبی لوگ جب ملاقات کے لیے حاضر ہوتے تو انہیں پوچھنا پڑتا کہ آپ میں رسول اللہ ﷺ کون ہیں؟ آنے والوں کی اس دقت کو دور کرنے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم بڑے اصرار کے ساتھ آپ ﷺ کو نمایاں جگہ پر تشریف فرما ہونے کے لیے عرض کرتے تب جا کر آپ ﷺ مجلس میں منفرد حیثیت سے جلوہ گر ہوتے۔ جبکہ اکثر اوقات آپ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ ؐ ساتھیوں کے ساتھ برابری اور یکسانیت کے پہلو کو پسند فرماتے۔

استقبالیہ قیام کی اجازت

جو شخص اپنے آنے پر دوسروں کے اٹھنے کا مطالبہ یا خواہش نہ رکھتا ہو اس کے لیے اٹھنا آپ ﷺ نے جائز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ اٹھ کر اپنے سردار کا استقبال کیجیے۔

(عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَیْظَةَ عَلٰی حُکْمِ سَعْدٍ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَیْهِ وَکَانَ مَرِیْضًا فَجَآءَ عَلٰی حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَامِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلْاَنْصَارِ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ)

(متفق علیه مشکوٰۃ باب القیام)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب بنوقریظہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ثالث مقرر کرنے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف قاصد بھیجا وہ اس وقت بیمار تھے۔ اس لیے وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے۔ جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے انصار سے کہا کہ اٹھو اور اپنے سردار کا استقبال کرو۔''

اس طرح سیرت کی کتابوں میں یہ حوالے بھی موجود ہیں کہ آپ ﷺ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے آنے پر کئی دفعہ اٹھ کر استقبال فرماتے۔

ان حالات وواقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی شخصیت کے لیے استقبالاً کھڑا ہونا جائز ہے جو لوگوں کے اٹھنے کی متمنی نہ ہو۔ متکبر ومغرور یا بدعتی شخص کے لیے اٹھنا نہایت ہی مکروہ عمل قرار دیا گیا ہے۔

☆☆☆

☆ مجلس کو بامقصد بنائیے۔

☆ باضابطہ مجلس امانت ہوا کرتی ہے۔

☆ مجلس میں کشادگی پیدا کرنا وسعت ظرفی کی علامت ہے۔

☆ مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ضرور کیجیے۔

☆☆☆

حسنِ اخلاق

اخلاق کا لفظ انسان کے کردار اور گفتار کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ جو شخص کردار کے زاویے سے کمزور ہو چاہے وہ کتنا ہی شیریں کلام کیوں نہ ہو اسے صاحبِ اخلاق نہیں گردانا جاتا۔ اسی طرح کردار کی دولت رکھنے والا اگر گفتار کے حسن سے تہی دامن اور عاری ہے تو اسے بھی کوئی با اخلاق ماننے کے لیے تیار نہ ہوگا۔ اس لیے اخلاق کا جامع اور مکمل تصور اہل علم کے نزدیک ہمیشہ یہی رہا ہے کہ آدمی کو حسنِ کردار کے ساتھ ساتھ شیریں گفتار کا حامل بھی ہونا چاہیے۔ لیکن اس مقام پر میں چاہوں گا کہ حسن اخلاق کو صرف گفتار کے حوالے سے ذکر کیا جائے۔ جہاں تک ہمارے آقائے گرامیؐ کے اخلاقِ عالیہ کا تعلق ہے تو خالقِ کائنات نے آپ ﷺ کو اخلاق کے اس منصب پر فائز فرمایا جو کسی دوسرے نبی کو بھی عطا نہیں ہوا۔ قرآنِ حکیم کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ﴾ (القلم ٤۔ پ ٢٩)

"آپ ﷺ کو خلق عظیم کی لامحدود دولت سے مالا مال کیا گیا ہے۔"

آپ ﷺ کا اخلاق کریمہ

جہاں تک ہمارے آقائے گرامی ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کا تعلق ہے۔ آپ ﷺ کے بدترین دشمن بھی آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمہ اور عظیم کردار کے معترف تھے اعلانِ نبوت سے ایک لمحہ پہلے تک وہ آپ ﷺ کو صادق و امین کے لقب سے پکارا کرتے تھے نظریاتی اختلافات کے باوجود جب کبھی ان سے آپ ﷺ کی ذاتِ عالی کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ ایک لمحہ تاخیر کیے بغیر اس بات کا اظہار و اقرار کرتے کہ آپؐ کی ذات سے ہمیں کوئی شکایت نہیں۔ بلاشبہ آپ ﷺ اخلاق کا اعلیٰ اور بے مثال نمونہ ہیں ایسا ہی ایک واقعہ بدر کے میدان میں پیش آیا۔

جب ابوجہل سے اس کے ساتھیوں کے مسلمانوں سے نہ لڑنے کے متعلق مذاکرات ہو

رہے تھے تو اس کے ایک سردار نے اپنے سربراہ ابوجہل سے پوچھا:

بتایئے تو سہی محمد کریم ﷺ کے بارے میں آپ کے کیا خیالات اور اختلافات ہیں؟

تو ابوجہل نے بلا تامل یہ کہا کہ اس کے کردار و گفتار کے بارے میں ہمیں کوئی شکایت نہیں ہمارا اس سے اختلاف نظریے اور خاندانی برتری کا ہے۔

قرآن مجید نے اس بات کو اس طرح بیان کیا ہے:

﴿ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِیْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۝ ﴾ (الانعام: ۳۳)

"بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ ان کی فضول باتیں آپ ﷺ کو پریشان کرتی ہیں یقیناً وہ آپ ﷺ کو نہیں جھٹلا رہے بلکہ یہ ظالم اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔"

اخلاق ہی وہ قوت ہے جس سے مسلمانوں نے پوری دنیا کو مسخر کیا تھا۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم پہلی دفعہ مصر کی سرزمین پر وارد ہوئے تو مصر کے عیسائی گورنر مقوقس نے مذاکرات کے لیے مسلمانوں کے پاس اپنے نمائندے بھیجے تا کہ ان کے اخلاق و کردار اور ان کی فوجی قوت کا پتہ کیا جا سکے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس محاذ پر کماندار تھے۔ عیسائی مشن نے واپس جا کر ان الفاظ میں اپنی رپورٹ دی تھی:

(رَأَيْنَا قَوْمًا اَلْمَوْتُ اَحَبُّ اِلٰى اَحَدِهِمْ مِنَ الْحَيٰوةِ وَالتَّوَاضُعُ اَحَبُّ اِلَيْهِمْ مِنَ الرِّفْعَةِ لَيْسَ لِاَحَدِهِمْ فِی الدُّنْيَا رَغْبَةٌ وَّلَا نَهْمَةٌ وَ اِنَّمَا جُلُوْسُهُمُ التُّرَابُ وَ اَكْلُهُمْ عَلٰى رُكَبِهِمْ وَ اَمِيْرُهُمْ كَوَاحِدٍ مِنْهُمْ مَا يُعْرَفُ رَفِيْعُهُمْ مِنْ وَضِيْعِهِمْ وَلَا السَّيِّدُ مِنَ الْعَبْدِ وَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ لَمْ يَتَخَلَّفْ عَنْهَا مِنْهُمْ اَحَدٌ يَغْسِلُوْنَ اَطْرَافَهُمْ بِالْمَآءِ وَ يَخْشَعُوْنَ فِیْ صَلَاتِهِمْ) (النجوم الظاھرہ)

"ہم نے ایسی قوم دیکھی ہے جس کا ہر فرد موت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ شان و شوکت کی بجائے تواضع اور انکساری پسند کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی کے دل

میں دنیا کی حرص وہوس نہیں ہے۔ وہ زمین پر عام لوگوں کی طرح گھٹنوں کے بل
بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ سربراہ فوج اور عام مجاہد کے درمیان کوئی امتیاز نہیں۔
اس وجہ سے چھوٹے بڑے میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ وہ نماز کے لیے بڑی
مستعدی اور ذوق وشوق کے ساتھ اکٹھے ہوتے ہیں۔ نماز سے پہلے وضو کرتے
اور نہایت عاجزی کے ساتھ رب کی بارگاہ میں قیام وسجود کرتے ہیں۔"

ایسے ہی کردار کا مسلمانوں نے جگہ جگہ مظاہرہ کیا تھا۔ سلطنت رومہ کے فرمانروا ہرقل نے جب اپنی قوم کے زعماء اور افواج کے سپاہ سالاروں کے اجتماع میں پسپائی اور ناکامی کے اسباب کے بارے میں پوچھا تو ایک بوڑھے عیسائی نے کھڑے ہو کر واشگاف الفاظ میں کہا تھا۔

ہمارا کردار اتنا گھناؤنا اور گھٹیا ہے کہ ہم میں شراب نوشی' بدکاری' خیانت اور بدعہدی کثرت سے پائی جاتی ہے۔ جبکہ ان کا کردار یہ ہے۔

(هُمْ رُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ وَ فُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ)

"وہ وعدے کے پکے دیانت وامانت کے حامل' ان کی راتیں مصلے پر اور دن
گھوڑوں کی پیٹھ پر گزرتے ہیں۔"

نرم دم گفتگو

گفتگو میں الفاظ کا چناؤ اور انتخاب' لب ولہجے میں نرمی اور ملائمت آدمی کی گفتگو کو مؤثر اور پروقار بنا دیتی ہے۔ اکثر اوقات بدترین دشمن بھی اس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا آدمی کا موقف چاہے جتنا بھی مضبوط اور مدلل کیوں نہ ہو جب تک الفاظ کے چناؤ اور استعمال میں حسن جمال پیدا نہ کیا جائے اس وقت تک گفتگو دوسرے پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو فرعون کے متعلق یہ الفاظ استعمال فرمائے:

﴿ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰىo ﴾(النّزعٰت: ١٧)

''اے موسیٰ علیہ السلام! فرعون کی طرف جایئے وہ سرکشی اور نافرمانی میں حد سے گذرا ہوا ہے۔''

اس کے باوجود آپ کا فرض ہے کہ آپ نرمی اور محبت کے ساتھ اسے سمجھائیں۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًاo (طٰهٰ: ٤٤)

''آپ دونوں (بھائی) اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کریں۔''

قرآن مجید کے اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے نبی محترم ﷺ نے معاملات میں نرمی اور گفتگو میں ملائمت اور شفقت کو پسند فرمایا ہے۔

ایک دفعہ یہودیوں کا وفد آپ ﷺ کے ہاں حاضر ہوا۔انہوں نے ملاقات کی اجازت چاہی۔ جب آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تو السلام علیکم کی بجائے السام علیکم کے الفاظ استعمال کیے جس کا معنی ہے: اے محمد ﷺ! تو ہلاک ہو جائے۔(نعوذ باللہ)

آپ ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سنتے ہی غیرت میں آئیں اور انہوں نے چپکے سے یہ الفاظ کہے:

﴿ وَعَلَيْكُمُ السَّامُ وَ لَعَنَكُمُ اللهُ وَ غَضِبَ عَلَيْكُمْo ﴾

''تم پر ہی موت اور اللہ کی لعنت و پھٹکار اور غضب نازل ہو۔''

نبی اکرم ﷺ نے جب یہ الفاظ سنے تو آہستہ سے فرمایا:

﴿ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ! عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَ اِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَo ﴾

''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! رک جاؤ۔ سختی اور بری بات سے اجتناب کرتے ہوئے نرمی اختیار کیجیے۔''

تو میں نے عرض کیا اللہ کے پاک نبی ﷺ! آپؐ نے ان کے الفاظ نہیں سنے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں؟ تو میں نے عرض کیا: میں نے تو انہیں کے الفاظ لوٹائے ہیں تب آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ان کی بددعا میرے حق میں قبول نہیں ہوتی جبکہ میں اگر ان کے

لیے بد دعا کروں تو فوراً قبول ہو جائے گی۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

(لَا تَكُوْنِيْ فَاحِشَةً فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَ التَّفَحُّشَ)

(مشكاة باب السلام)

"آپ کو برے الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہییں کیونکہ اللہ تعالیٰ فحش کلامی پسند نہیں کرتا۔"

(اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهِ)(مشكوٰة باب الرفق و الحياء)

"یقیناً اللہ تعالیٰ رفیق ہیں اور نرمی کو پسند کرتے ہیں۔"

(اِنَّ الرِّفْقَ لَايَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهُ) (مشكوٰة باب الدفق و الحياء)

"نرمی ہر چیز کو بلند کر دیتی ہے۔"

خواتین کا اندازِ گفتگو کیسا ہونا چاہیے......؟

جیسا کہ آپ نے نبی رحمت ﷺ کے ارشادات سے جانا ہے کہ آدمی کی گفتگو میں نرمی، ملائمت اور مسکراہٹ کی حلاوت ہونی چاہیے مگر خواتین کو قرآن پاک نے اجنبی اور غیر محرموں کے لیے اس انداز کو اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو حکم ہے کہ جب وہ غیر محرموں کے ساتھ گفتگو کریں تو انکے لب ولہجہ اور اندازِ تکلم میں نزاکت اور گھلاوٹ ہونے کی بجائے ہلکا سا اجنبیت کا اظہار ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر دوسری طرف سے گفتگو کرنے والا آدمی اخلاقی گراوٹ اور ذہنی آوارگی کا مریض ہو تو اس معزز خاتون کی گفتگو کے حوالے سے اس کے اخلاقی مرض کو انگیخت نہیں ہونی چاہیے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بائیسویں پارے میں خواتین کو یہ ہدایت فرمائی ہے۔

﴿ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ ﴾ (الاحزاب: ٣٢)

"مومن عورتیں گھلاوٹ کے ساتھ گفتگو نہ کیا کریں کیونکہ اس سے عیاش آدمی کے جذبات کو انگیخت ہوتی ہے اس لیے سنجیدہ انداز اختیار کریں۔"

لہٰذا دخترانِ امت کی گفتگو کا یہی معیار ہونا چاہیے تا کہ ان کی نیک شہرت اور عزت وناموس کے بارے میں کوئی سطحی انسان غلط تصور بھی نہ کر سکے۔

غیرت اور غصہ انسان کی عزت کا محافظ

اخلاق کا یہ ہرگز تقاضا نہیں ہے کہ غیرت اور غصے کے موقع پر آدمی ناراضگی اور حمیت کا مظاہرہ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے آدمی کی عزت وغیرت کی حفاظت کے لیے مناسب مقام پر غصے کے اظہار کو محافظ بنایا ہے۔ جبکہ اچھے بھلے پڑھے لکھے لوگ اور کئی دانشور یہی سمجھتے ہیں کہ اخلاق فقط یہی ہے کہ آدمی ہر حال میں پیار اور نرمی کا مظاہرہ کرتا چلا جائے۔ اگر اخلاق کا یہی معیار قائم کیا جاتا تو انسانی تربیت میں ایک بہت بڑا خلا باقی رہ جاتا ہے۔ اس لیے امت کی والدہ ماجدہ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ آپؐ کے اخلاقِ حسنہ کو کس طرح سمجھنا چاہیے۔ انہوں نے جواباً یہ ارشاد فرمایا کہ اگر آپ نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کو جاننا اور سمجھنا چاہتے ہیں تو اس نقشے میں جانئے:

(كَانَ خُلُقُهُ الْقُرآنَ) (مشكوٰة باب الوتر)

''آپ ﷺ کا اخلاق قرآن ہی کا عملی پیکر تھا۔''

ہماری والدہ ماجدہ کے فرمان کا یہ مطلب تھا کہ جہاں قرآن پاک نے نرمی اور مروت کا حکم دیا ہے وہاں سرورِ گرامی ﷺ نرمی، شفقت اور مہربانی کا انداز اختیار فرمایا کرتے تھے اور جہاں دین ودنیا کے معاملات میں قرآن پاک نے تنبیہ اور انتباہ کیا ہے وہاں نبی معظم ﷺ سختی اور گرفت کا طریقہ اختیار کیا کرتے۔ انسانی معاشرے کو متوازن اور صحیح خطوط پر چلانے کے لیے اس کے بغیر کوئی دوسرا راستہ موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی ذمہ دار آدمی جزا وسزا کا معیار قائم نہیں کرتا تو وہ نظام مملکت چلانا تو درکنار گھر کا ماحول بھی نہیں سدھار سکتا۔ اس لیے قرآن پاک کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللّٰهِ﴾ (نور: ۲)

''جب تم ظالموں کو سزا دینے پہ آؤ تو مقررہ سزا کے اندر کوئی نرمی نہیں ہونی چاہیے۔''

اسی کے پیش نظر ہم سیرت طیبہ اور احادیث کی مقدس دستاویزات میں دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے سامنے جب حدود اللہ کے نفاذ کا معاملہ آتا تو آپ ﷺ پوری قوت وسطوت کے ساتھ اسلامی قانون کو نافذ فرماتے۔

حدیث کی معتبر ترین کتاب بخاری شریف میں موجود ہے جب کچھ لوگوں نے قومی ملکیت میں آنے والے اونٹوں کی چوری کی اور سرکاری محافظوں کو جاتے ہوئے اذیت ناک طریقے سے قتل کر دیا تو ایسے ظالم اور سفاک ڈاکوؤں کو گرفتار کر کے جب انتقام کے گھاٹ پر اتارا گیا تو ٹھیک اسی طرح انہیں سزا دی جس طرح انہوں نے محافظوں کے ساتھ سفاکی کا مظاہرہ کیا تھا۔ حدیث کا ریکارڈ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ جب وہ موت وحیات کی کشمکش میں پنڈلی پہ پنڈلی مار رہے تھے اور پیاس کی بنا پر تڑپ جاتے تھے تو ان کے لیے ایک قطرہ پانی بھی فراہم نہیں کیا گیا تھا۔

قرآن مجید میں سزا کی تائید کرتے ہوئے یہ الفاظ استعمال فرمائے:

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ (المائدہ: ۳۳)

''بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانا چاہتے ہیں ان کی سزا یہ ہے انہیں قتل کر دیا جائے یا انہیں پھانسی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف اطراف سے کاٹ دیے جائیں۔ یہ تو دنیاوی سزا ہے آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

وہ نبی ﷺ جنہوں نے اپنی ذات اطہر پر ظلم کے پہاڑ برداشت کیے جب دینی غیرت کا معاملہ آتا تو آپ ﷺ ایک لمحہ تاخیر کیے بغیر ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچاتے۔ حدود اللہ کا نفاذ غیرت دینی کے ساتھ اتحادِ امت کے بارے میں آپ ﷺ اتنے حساس تھے کہ ایک

دفعہ ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ شکایت پہنچی کہ وہ اپنے محلے میں جب جماعت کرواتے ہیں تو ان کی قرأت اتنی طویل ہوتی ہے کہ نمازی اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر اس امام کو شدید ترین الفاظ میں انتباہ کرتے ہوئے فرمایا:

(اَفَتَّانٌ اَنْتَ یَا مُعَاذُ) (مشکاۃ باب القراۃ فی الصلاۃ)

"اے معاذ! تو نمازیوں میں تفریق پیدا کرنا چاہتا ہے۔"

مذکورہ حوالہ جات اور واقعات سے یہ نکتہ نگاہ واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اخلاق کا جامع تصور یہی ہے۔ کہ جزا اور سزا کے ترازو میں جھول نہ آنے پائے۔ کیونکہ اسی معیار کو قائم رکھتے ہوئے ہم اخلاق کے تقاضے پورے کر سکتے ہیں۔

طریقہ گفتگو

آپ ﷺ کے رفقاء ذکر کرتے ہیں کہ نبی معظم ﷺ جب بھی گفتگو فرماتے نہ تو اتنا تیز انداز ہوتا کہ سننے والا دقت محسوس کرے اور نہ ہی اس قدر کمزور طریقے سے بات چیت کرتے کہ سننے والے کو اس بات کا انتظار رہے کہ آپ کب اور کیا فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ کی آواز میں میانہ روی' الفاظ میں ٹھہراؤ اور آواز میں وقار نمایاں ہوتا تھا۔

(کَانَ یَتَکَلَّمُ بِکَلَامٍ بَیْنَہُ فَصْلٌ) (مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ و شمائلہ)

الفاظ کے انتخاب میں حسن اور ان کی ادائیگی میں مٹھاس اور شیرینی پائی جاتی۔ گویا آپ ﷺ کی زبان اطہر سے نکلنے والے الفاظ سامع کے دل پر براہ راست اثر انداز ہو رہے ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کی گفتگو اتنی طویل نہ ہوتی کہ سننے والے اکتاہٹ محسوس کرنے لگیں۔

(عَنْ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ لَقَدْ رَاَیْتُ وَاُمِرْتُ اَنْ اَتَجَوَّزَ فِی الْقَوْلِ فَاِنَّ الْجَوَازَ ھُوَ خَیْرٌ) (ابو داؤد)

"حضرت عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے دیکھا بھی ہے اور آپ ﷺ نے مجھے حکم بھی دیا ہے کہ میں کم گوئی سے کام لوں کیونکہ اسی میں بہتری ہے۔"

آپ ﷺ کی گفتگو اتنی مختصر بھی نہ ہوتی تھی کہ سننے والا اس میں تشنگی محسوس کرے۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جن معجزات سے سرفراز فرمایا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مجھے کلام کرنے کا وہ ملکہ عطا کیا گیا کہ دنیا میں کسی کے نصیبے میں نہیں آیا۔

آپ ﷺ نے اس نعمت کا اظہار یوں فرمایا:

(اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ)

(بخاری' مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین)

''مجھے گفتگو کا بہترین ملکہ عطا کیا گیا ہے۔''

گفتگو کے اسی اسلوب کو آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے معیار قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ کی عطا کردہ تربیت کا یہ بھی حصہ ہے کہ آدمی دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے اس کی عمر' مرتبہ اور اس سے تعلق کا بھی خاص خیال رکھے۔ اسی بنا پر آپ ﷺ کے رفقائے گرامی جب آپ ﷺ سے محوِ گفتگو ہوتے تو آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی بجائے اپنی نگاہوں کو ادب واحترام اور شرم وحیاء کی وجہ سے نیچے رکھتے اور یہی طریقہ فطرت اور حیا کا ترجمان ہے کیونکہ اگر کوئی چھوٹا بڑے سے سپاٹ انداز میں گفتگو کرے اور دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھے تو اس کو معصومیت اور حیا کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ آج کل تو قریبی لوگ اس طرح احترام نہیں کرتے جیسے اجنبی اور دور کے لوگ کرتے ہیں۔ وہاں تو صورت یہ تھی کہ سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم انتظار میں ہوتے تھے کہ کوئی دیہاتی آئے اور وہ کرید کرید کر مسئلے پوچھے تا کہ ہم بھی مستفید ہوسکیں۔

☆ گفتگو میں ٹھہراؤ اور اختصار ہونا چاہیے۔

☆ الفاظ اور انداز میں نرمی ہونی چاہیے۔

☆ اچھائی کی تحسین اور برائی پر غصہ کا اظہار ہونا چاہیے۔

☆ غیر محرم کے ساتھ بات کرتے ہوئے عورت کی آواز میں نسوانیت کی بجائے ہلکی سی بے گانگی اور مردانگی ہونی چاہیے۔

باہمی ملاقات کا اسلوب کیا ہونا چاہیے......؟

انسان کو انس اور اخوت کے خمیر سے اٹھایا گیا ہے اسی سبب انسانِ اول کو جب تخلیق کے مراحل سے گزار کر مسجود ملائکہ کے منصب پر سرفراز فرماتے ہوئے جنت میں ٹھہرایا اور بسایا گیا تو بے بہا نعمتوں، سہولتوں اور رفعتوں کے باوجود اپنا ہم نسل اور ہم جنس نہ ہونے کی وجہ سے حضرتِ انسان نے جنت کے لہلہاتے باغوں میں بھی خلوت محسوس کی۔ وہ بے قراری کے عالم میں اسقدر مضطرب تھے کہ نعمتوں بھری جنت میں بھی بے سکونی کی کیفیت میں سرگرداں ہوئے جا رہے تھے۔

﴿ هُوَالَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ﴾ (الاعراف: ۱۸۹)

''اس ذات نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا اور پھر اس سے اس کی رفیقۂ حیات کو جنم دیا تا کہ اس کے ساتھ اس کا دل بہلتا رہے۔''

کیونکہ انسان طبعی اور جبلی طور پر معاشرت اور میل جول کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ اسے میل ملاپ کے آداب اور ضوابط سے آگاہ کیا جاتا۔ چنانچہ حدیث کے مقدس ریکارڈ میں یہ واقعہ موجود ہے:

(عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَهٗ قَالَ اِذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰی اُولٰٓئِكَ النَّفَرِ وَهُمْ نَفَرٌ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ جُلُوْسٌ فَاسْتَمِعْ مَا یُحَیُّوْنَكَ فَاِنَّهَا تَحِیَّتُكَ وَتَحِیَّةُ ذُرِّیَّتِكَ فَذَهَبَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ فَقَالُوْا وَعَلَیْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَ فَزَادُوْا وَرَحْمَةُ اللّٰهِ)(متفق علیه، مشکاة باب السلام)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا آپ علیہ السلام کا قد ساٹھ ہاتھ تھا (جب آپ علیہ السلام کی

تخلیق تکمیل کو پہنچی اور جونہی آدم علیہ السلام نے آنکھیں کھولیں اور اپنے وجود میں جنبش محسوس کی تو) اللہ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے آدم علیہ السلام وہ دیکھو ملائکہ کا ایک گروہ بیٹھا ہوا ہے۔ تم جاؤ اور انہیں سلام کرو۔ اسکے جواب میں ملائکہ جو الفاظ استعمال کریں گے وہی تیری اولاد کیلیے ملاقات کا طریقہ اور اسلوب مقرر کیا جائے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جا کر السلام علیکم کہا تو عین اسی وقت فرشتوں نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کے الفاظ استعمال کیے۔"

اس گھڑی سے لیکر ملاقات کا یہی طریقہ انسان کے لیے پسند کیا گیا۔ اس لیے ہمیں اِدھر اُدھر کے الفاظ استعمال کرنے کی بجائے فطری اور طبعی طریقے کو اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں اس قدر جامعیت ہے کہ ملنے والے ایک دوسرے کیلیے ہر لحاظ سے خیر سگالی کے جذبات اور خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ دنیا کے کسی مذہب اور سوسائٹی میں ملاقات کے وقت اسقدر سلامتی کے جامع الفاظ نہیں پائے جاتے۔ انکے انداز میں وقتی اور جزوی خیر خواہی کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے Good Morning، Good Evening وغیرہ۔

ان جذبات کی ترجمانی نبی اکرم ﷺ کے ان الفاظ سے اور زیادہ واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب ایک مسلمان دوسرے سے ملاقات کرے تو اس کے چہرے پر تبسم اور مسکراہٹ ہونی چاہیے اور اس کو انسانی جسم کی سخاوت قرار دیا گیا۔

﴿ اَنْ تَلْقٰی اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ ﴾

"کسی کو خوش روئی سے ملنا بھی نیکی ہے۔"

مسلمانوں میں باہمی الفت وعقیدت، احترام واکرام کو فروغ دینے کیلیے آپ ﷺ نے ہاتھ ملانے یعنی مصافحہ کرنے کی فضیلت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا۔

﴿ اِذَا الْتَقَی الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَ لَهُمَا ﴾

(ابو داؤد، مشکاۃ باب المصافحہ و المعانقہ)

"جب دو مسلمانوں کی باہم ملاقات ہو اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ

تعالیٰ کی حمد اور اپنے لیے مغفرت طلب کریں تو ان کی مغفرت ہو ہی جائے گی۔"

کچھ عرصہ اور مدت کے بعد ملنے پر بغل گیر ہونا اسلامی معاشرت کا حصہ قرار دیا۔
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی ﷺ نے مجھے اپنے ہاں آنے کا پیغام بھیجا۔ میں اسوقت گھر میں موجود نہیں تھا بعد ازاں میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ مصافحہ کرتے ہوئے میرے ساتھ بغلگیر ہوئے:

(فَاَتَيْتُهٗ وَهُوَ عَلٰى سَرِيْرٍ فَالْتَزَمَنِيْ فَكَانَتْ تِلْكَ اَجْوَدَ وَالْجُوْدَ ○)

(ابو داؤد' مشکاة باب المصافحه و المعانقه)

"آپ ﷺ نے مجھ سے معانقہ فرمایا اور آپ کا یہ انداز نہایت ہی شفقت سے لبریز تھا۔"

باہمی ملاقات اور رابطے کی اہمیت کو اجاگر اور اسکے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے تاریخ کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ: پہلے زمانے میں ایک آدمی سخت دھوپ اور پسینے سے شرابور چلا جا رہا ہے راستے میں آدمی کی شکل میں ایک فرشتہ اس کا منتظر کھڑا ہے جونہی وہ مسافر برابر آیا تو وہ فرشتہ پوچھتا ہے کہ جناب مسافر! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ مسافر نے بتایا کہ فلاں بستی میں میرا ایک دوست رہتا ہے۔ اس سے ملاقات کی غرض سے جا رہا ہوں فرشتہ پوچھتا ہے: اس سے کوئی رشتہ داری ہے؟ مسافر نے کہا: نہیں کوئی نسبی رشتہ نہیں۔
فرشتہ پھر کوئی اس سے کام ہوگا۔؟ مسافر جھٹ بول کر کہتا ہے نہیں کوئی دنیاوی غرض نہیں فقط ملاقات مقصود ہے۔ فرشتہ سوال کرتا ہے' محض ملاقات کے لیے اتنا سفر؟ اس نے کہا: ہاں اس سے میرا رشتہ اور دوستی صرف اللہ کے لیے ہے۔ تو فرشتے نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کا فرشتہ ہوں۔ مجھے حکم تھا کہ جاؤ میرے لیے دوستی اور رابطہ رکھنے والے کو خوشخبری دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے تم دونوں کو معاف فرما کر اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دے دیا ہے۔
(مشکوٰۃ باب الحب فی اللّٰہ و من اللّٰہ)

اس لیے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

(كُوْنُوا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا)

"لوگو اللہ کے لیے بھائی بھائی بن جاؤ۔"

(اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰه) (مشكوٰة باب الحب فى الله و من الله)

"اللہ کیلیے محبت کرو اور اللہ ہی کیلیے مخالفت کرو۔"

مسلمانوں کو خفت اور وقت کے ضیاع سے بچانے کے لیے یہ طریقہ متعارف کروایا گیا کہ جب کوئی آدمی کچھ دن اپنے گھر سے باہر رہے جہاں تک ممکن ہو اسے اپنے پلٹنے کے اوقات کی گھر والوں کو اطلاع کرنی چاہیے۔ اس ارشاد سے یہ استدلال بہتر ہوگا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے تو دوسرے آدمی کو اپنی ملاقات کی اطلاع کرنی چاہیے۔ اس سے آدمی کئی دقتوں اور الجھنوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ہونے والا میزبان ذہنی اور عملی طور پر مہمان کا صحیح معنوں میں استقبال اور میزبانی کے قابل ہو سکے گا۔ جبکہ آنے والا بھی دوسرے کی ملاقات سے یقیناً بہرہ مند ہوگا۔

پھر ملاقات کے آداب میں مسلم معاشرے کو رعونت وغرور اور اخلاقی بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ اصول لاگو فرمایا کہ سوار پیدل کو' چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے۔ اگر یہی اصول ٹھہرایا جاتا کہ ہر حال میں چھوٹا بڑے کو اور کمزور طاقتور کو محکوم حاکم کو سلام کرے تو مسلم سوسائٹی واضح طور پر طبقاتی کشمکش کا شکار ہو جاتی۔

(يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ وَزَادَ ابْنُ الْمُثَنَّى فِيْ حَدِيْثِهٖ وَيُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ)

(مشكوٰة باب السلام)

"سوار پیدل کو اور پیدل بیٹھنے والے کو' تھوڑے زیادہ کو اور چھوٹا بڑے کو اسی طرح آنے والا پہلے سے موجود کو السلام علیکم کہے۔"

ہاں اگر ملنے والے ایک ہی حالت میں ہوں تو احترام کی طبعی اور بین الاقوامی قدروں کا بھی خیال رکھا گیا کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ تاکہ مسلم معاشرہ اخوت کی یکسانیت کے

ثمرات سے لطف اندوز ہو سکے۔اونچ نیچ کے مرض کے تدارک کیلیے یہ اصول بھی وضع فرمایا کہ کوئی سر جھکا کر نہ ملے۔اس سے بندگی کا انداز ظاہر ہوتا ہے۔کیونکہ آپ ؐ کا ارشاد عالی ہے:

(لَوْ كُنْتُ اٰمِرُ اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَآءَ اَنْ يَسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ) (ابو داؤد' باب عشرة النساء)

''اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے سامنے جھکا کرے تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کے سامنے جھکیں۔''

☆☆☆

☆ متبسم پیشانی اور لہلہاتے چہرے کے ساتھ ملاقات کیجیے۔
☆ مسکراتے ماتھے کے ساتھ ملنے کو صدقہ قرار دیا۔
☆ والدین کے علاوہ کسی کے سامنے جھکنا جائز نہیں۔
☆ غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے۔
☆ اللہ ہی کے لیے دوستی اور اس کی وجہ سے قطع تعلقی ہونی چاہیے۔

☆☆☆

سفر کے ضابطے

دنیا میں بہت ہی کم ایسے انسان ہوں گے جو زندگی بھر ایک ہی مقام پر ٹھہرے اور مقیم رہے ہوں ورنہ ہر آدمی کو اپنی حاجت وضرورت کیلیے سفر کرنا پڑتا ہے۔ یہ ضرورت کاروباری' سماجی' تمدنی' خالص علمی اور دینی بھی ہوسکتی ہے۔ مطالعہ اور عبرت آموزی کیلیے قرآن حکیم نے لوگوں کو سفر اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے کہ وہ قدرت کے مناظر' قوموں کے عروج وزوال اور ان احوال سے علم ومعرفت' نصیحت اور عبرت حاصل کریں جسکی وجہ سے ان قوموں کو انجام کے اس گھاٹ اترنا پڑا۔

﴿ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ﴾

(آل عمران: ۱۳۷)

"(اے نبی محترم ﷺ) فرما دیجیے! زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔"

سفر چاہے خالص دینی ہی کیوں نہ ہو اس میں تھکاوٹ اور مشکلات کا ہونا طبعی امر ہے۔

(اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ) (مشکوٰۃ باب آداب السفر)

"مشکلات سفر کا حصہ ہیں۔"

اس لیے آپ ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر لوگوں کو سفر کی صعوبتوں کا ادراک ہو جائے تو کوئی شخص بھی جان بوجھ کر تنہا سفر کرنا پسند نہ کرے۔ بالخصوص عورتوں کو تو تنہا سفر کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اور یہ شرط عائد کی کہ وہ محرم کے بغیر سفر نہ کریں۔ اس لیے آپ ﷺ نے نہ صرف سفر کے آداب ولحاظ سے آگاہ فرمایا بلکہ مسافت کا تعین فرماتے ہوئے سنن ونوافل کی چھوٹ دینے کے ساتھ فرض نماز کو بھی نصف کر دیا کیونکہ سفر چاہے کتنا ہی آرام دہ کیوں نہ ہو گھر جیسا سکون میسر نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ضروری تھا کہ گھر سے نکلنے والے غریب الدیار مسافر کی قدم قدم پر رہنمائی اور سہولت کا اہتمام کیا جائے۔ لوگوں کو

سمجھایا کرتے کہ جو شخص اپنے کام سے فارغ ہو جائے تو اسے جلد از جلد اپنے وطن کو پلٹنا چاہیے۔

اس کے ساتھ یہ فرمان بھی تھا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے گھر والوں کو اپنے پلٹنے کے اوقات کی اطلاع کرنی چاہیے۔ سفر کے دوران ایک سے زیادہ آدمیوں کی صورت میں کسی ایک کو اپنا امیر بنا لینے کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ پھر اس زمانے کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے صبح سویرے سفر کا آغاز پسند فرماتے۔ موسم اور حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ساری رات سفر کرنا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے۔

جن روایات میں جمعرات کو سفر کرنا آپ ﷺ کا پسندیدہ دن قرار دیا گیا ہے ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی کوشش ہوتی تھی کہ معاملات سے جلد از جلد فارغ ہو کر بہر صورت جمعرات واپسی ہو جانی چاہیے تاکہ جمعہ مدینہ منورہ میں ادا کیا جا سکے کسی بستی میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

(اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّھَا وَ شَرِّاَھْلِھَا وَ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ ھَا وَ خَیْرِ اَھْلِھَا) (مشکوٰۃ)

''اے اللہ! میں اس سرزمین اور یہاں کے رہنے والوں کے شر سے آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔ الٰہی! مجھے اس شہر اور اس کے باسیوں کی طرف سے خیر و برکت نصیب فرما۔''

گھر سے نکلتے وقت آپ ﷺ سے کئی دعائیں ثابت ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے:

(بِسْمِ اللّٰهِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ) (مشکوٰۃ' مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات)

''سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے اسی کے نام سے سفر شروع کرتا ہوں۔''

عرب میں اس وقت چار قسم کی سواریاں استعمال ہوتی تھیں۔ اونٹ' گھوڑا' گدھا اور خچر۔ آپ ﷺ کے پاس بہترین قسم کے گھوڑے اور اونٹنیاں موجود تھیں۔ تاہم ایک دو دفعہ

آپ ﷺ گدھے پر بھی سوار ہوئے کیونکہ اس زمانے میں بڑے سے بڑا معزز آدمی بھی ضرورت کے وقت گدھے پر سواری کر لیا کرتا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس میں کوئی عار محسوس نہیں کی۔ دنیا میں آج بھی بے شمار لوگ گدھے کی سواری کرتے ہیں جب کہ امریکہ کی برسر اقتدار پارٹی کا انتخابی نشان گدھا ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک خرِ عیسیٰؑ تو مقدس جانور ہے۔ آپ ﷺ سواری پر براجمان ہوتے ہوئے یہ دعا پڑھتے:

(سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ) (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات)

''وہ اللہ بڑا ہی پاک ہے جس نے اس سواری کو ہمارے تابع کر دیا۔ ہم میں اس کو تابع کرنے کی صلاحیت نہ تھی اور ہم بالآخر اپنے رب کی طرف ہی پلٹنے والے ہیں۔''

اللہ اکبر اور الحمد للہ پڑھنا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ بعض دفعہ یہ بھی پڑھتے:

(اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِ نَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَ مِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا ھٰذَا وَ اطْوِلَنَا بُعْدَهُ)

(مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات)

''الٰہی! ہمارے سفر کو آسان اور ہماری مسافت کو ہمارے لیے کم کر دے۔''

(اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْھلُ اَوْ اُجْھَلَ)

(مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات)

''الٰہی! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ مجھ سے کسی پر زیادتی ہو یا مجھ پر کوئی ظلم کرے مجھ سے کوئی جہالت سرزد ہو یا مجھ پر کوئی جہالت کا مظاہرہ کرے۔''

(اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلِبِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ) (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات)

''اے اللہ! میں آپ کی حفظ وامان چاہتا ہوں سفر کی تکلیف اور برے واقعات

کے پیش آنے سے اور واپسی پر اہل وعیال کے نقصان سے۔“

(اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ) (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات)

”ہم واپس پلٹنے والے، توبہ کرنے والے، تابع داری کرنے والے اور اپنے رب کی حمد وتعریف کرنے والے ہیں۔“

دوران سفر آپ ﷺ کے معمولات

سواری پر بیٹھے ہوئے اللہ کے ذکر میں مصروف رہتے اور کبھی سواری کو قبلہ رخ کھڑا کر کے نفل نماز کا آغاز فرماتے اور سواری کو ہانک دیتے چاہے سواری کا رخ قبلہ سے دوسری جانب ہی کیوں نہ ہو جائے۔ (بخاری کتاب الصلاۃ باب صلاۃ التطوع الدواب)

سفر کے دوران ہر ممکن کوشش ہوتی کہ دوسروں کا دل بہلایا جائے اور سفری مشکلات میں ساتھیوں کا مسلسل خیال رکھتے۔ جہاں کہیں پڑاؤ ڈالتے تقسیم کار کرتے ہوئے اپنے ذمے کوئی ڈیوٹی ضرور لیتے۔

ایک دفعہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک جگہ قیام فرمایا کھانا پکانے کی ڈیوٹیاں لگاتے ہوئے خود ایندھن اکٹھا کرنے کی ذمہ داری لی۔ رفقاء کے بار بار اصرار کے باوجود آپؐ کا ارشاد تھا کہ میں بھی آپ کے سفر کا ساتھی ہوں اس لیے بلاوجہ امتیازی حیثیت اچھی نہیں لگتی۔

ساتھیوں کو اس طرح الوداع فرماتے

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے الوداع کرتے ہوئے کچھ دیر تک میرا ہاتھ تھامے رکھا اور پھر ان دعائیہ کلمات کے ساتھ الوداع کیا:

(وَجَّهَكَ اللّٰهُ لِلْخَيْرِ حَيْثُ مَا تَوَجَّهْتَ)

”جدھر بھی جائیں آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر ہی خیر ہو۔“

کسی کے لیے یہ الفاظ استعمال فرماتے:

(اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ) (مشكوٰة باب الدعوات فى الاوقات)

''میں تیرے دین کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دفعہ عمرہ کرنے کے لیے آپ ﷺ سے الوداعی ملاقات کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے اس شفقت آمیز لہجے سے رخصت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں زندگی بھر یہ لمحات اور کلمات نہیں بھول سکتا۔ آپ ﷺ کے مبارک کلمات یہ تھے:

(يَا اَخِيْ اَشْرِكْنَا فِيْ دُعَائِكَ وَلَا تَنْسَنَا)

(ابن ماجه كتاب المناسك باب فضل دعاء الحاج)

''میرے عزیز بھائی! کہیں ہمیں بھول نہ جانا بلکہ اپنی دعاؤں میں ہمیں یاد رکھنا۔''

☆☆☆

☆ ہمسفر کا خیال اور دوران سفر اللہ کا ذکر کیجیے۔

☆ ایک دوسرے کو الوداع کرتے وقت دعائیہ کلمات ادا کیجیے۔

☆ ملاقات کے وقت السلام علیکم کے الفاظ ہماری تہذیب اور باعث ثواب ہیں۔

☆ مصافحہ کرنے سے محبت بڑھتی اور گناہ جھڑتے ہیں۔

☆ مسافر کی دعا قبول ہوتی ہے۔ لہٰذا سفر میں دعاؤں کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔

☆ جہاں تک ممکن ہو گھر والوں کو اپنے پلٹنے کے وقت کی اطلاع کیجیے۔

☆☆☆

آپ ﷺ زمین سے افلاک تک

آپ ﷺ غریب اور یتیم تھے اللہ تعالیٰ نے آپکو زمین سے اٹھا کر افلاک کی رفعتوں سے بلند و بالا کر دیا' دونوں جہانوں کی عزتیں اور کوثر و تسنیم کا مالک بنا دیا۔ اور اس بات کی گارنٹی دی کہ آپکی زندگی کا ہر آنیوالا لمحہ اور واقعہ آپ ﷺ کے لیے عزت و شرف اور رفعت و بلندی کا زینہ بنا دیا جائے گا۔ پھر آپ ﷺ دنیا اور آخرت میں اس مقام پر جلوہ گر ہوں گے جس کے بعد کسی کے لیے بھی یہ کہے بغیر چارہ نہ ہوگا:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

﴿ وَالضُّحٰى ٥ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ٥ مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ٥ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ٥ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرضٰى ٥ ﴾

(الضحیٰ۔ پ ۳۰)

''قسم ہے روشن دن اور رات کی جب کہ وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے اے رسول اللہ ﷺ! آپ کے رب نے تمہیں نہ چھوڑا ہے اور نہ آپ پر ناراض ہوا ہے اور یقیناً آپ کے لیے آنے والا وقت پہلے سے بہتر ہوگا۔ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔''

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ٥ ﴾ (الم نشرح: پ ۳۰)

''اور تمہارے لیے آپ کا شہرہ بلند کر دیا۔''

﴿ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ٥ ﴾ (الکوثر: ۱)

''یقیناً ہم نے آپ کو (دنیا اور آخرت کی) خیر کثیر سے سرفراز کیا۔''

اس مقام عالی پر فائز ہونے اور ہمہ جہت کامیابیوں کے باوجود آپ ﷺ اسی رفتار اور انداز کے ساتھ لوگوں کے لیے عجز و عاجزی کا پیکر اور اللہ کے حضور ﷺ سرفگندگی کا مجسمہ بنتے چلے گئے۔ یہ اسی کی جھلک ہے:

نماز تہجد میں اس طرح سسکیاں لے کے روتے کہ دیکھنے والے یہ منظر برداشت نہ کر پاتے۔ اور بے ساختہ عرض کرتے کہ آپ ﷺ اس قدر کیوں روتے ہیں۔ اللہ نے آپ کی سب کمزوریوں کو معاف کر دیا ہے۔ دنیا و جہاں کی عزتوں اور کامیابیوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

(اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شُکُوْرًا) (مشکاۃ باب التحویض علی صلوٰۃ اللیل)

''کیا میں اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بندوں کا انداز اختیار نہ کروں۔''

عجز وانکساری

اپنوں کے ساتھ آپ کی ﷺ شفقت ورحمت بے کنار اور لامحدود تھی۔ غیروں اور جانی دشمنوں کے ساتھ آپ کی ﷺ شفقت ومہربانی کے دلروز واقعات ایسے ہیں جس کی نظیر ہزار کوشش کے باوجود کوئی پیش نہیں کر سکے گا۔ آپ ﷺ مکہ پر فاتحانہ انداز میں پیش قدمی فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع ہوتے ہی مکے کے بڑے بڑے لوگ حاضرِ خدمت ہوئے یا پھر فرار کا راستہ اختیار کیا۔ آپ ﷺ اس طرح جلال اور جمال کے ساتھ مکہ میں مسلح افواج کی ہمراہی میں داخل ہو رہے ہیں کہ آپ ﷺ کے مقابلے میں چڑیا کو پر مارنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ لوگ بیت اللہ یا اپنے اپنے گھروں میں از خود بند ہو گئے۔ اتنے بے مثال اور کامیاب فوجی آپریشن کے باوجود آپ ﷺ نے مجاہدین کو حکم دیا۔ کہ کسی پر ذرہ برابر زیادتی نہ ہونے پائے۔ اسی اثناء میں ایک کمانڈر کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے:

(اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃِ)

''آج خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔''

جونہی آپؐ کے نوٹس میں یہ بات آئی۔ آپؐ نے اس سے جھنڈا لے کر دوسرے کو عطا کرتے ہوئے فرمایا:

(اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃِ)

''آج شفقت ومروت' معافی اور درگزر کی روایات قائم کی جائیں گی۔''

خود آپ کی ﷺ اپنی حالت یہ تھی کہ آپ کا سر اس قدر جھکا ہوا تھا کہ کئی بار آپ ﷺ کی داڑھی مبارک اونٹ کے پلان کے ساتھ لگ جاتی۔ اور اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ کی زبان اطہر سے عجز وانکساری اور اظہار تشکر کے طور پر یہ الفاظ جاری تھے:

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهُ)

(بخاری کتاب الجهاد)

”شکر یہ اس ذات واحد اور یکتا کا جس نے اپنے کمزور بندے کی مدد فرمائی اور گروہوں اور جماعتوں کو ناکامیوں سے دوچار کیا۔“

آپ ﷺ کی ذات پاک پر بار بار قاتلانہ حملہ کرنیوالے، رفقاء کو شہید اور اذیت ناک دکھ دینے والے جب فتح مکہ کے موقع پر ہر قسم کی سازشیں اور کوششیں کرنے کے باوجود ناکام ہو کر آپ ﷺ کے سامنے کھڑے تھے تو آپ ﷺ نے سوال کیا: آج مجھ سے کس سلوک کی توقع کر رہے ہو؟ تو انہوں نے بڑی مجبوری کے عالم میں یہ کہا کہ آپ ﷺ کریم ابن کریم یعنی معزز باپ کے عظیم ترین صاحبزادے ہیں ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی تابندہ روایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمارے ساتھ احسان مندانہ رویہ اختیار فرمائیں گے تو آپ ﷺ نے ایک لمحہ تاخیر کیے بغیر یہ اعلان فرمایا:

(لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ) (زاد المعاد)

”آج تم پر کوئی گرفت نہیں میں تمہارے لیے معافی اور آزادی کا اعلان کرتا ہوں۔“

اس طرح ہی کے ایک موقع پر ایک ظالم اور سفاک آدمی قیدی بنا کر آپ ﷺ کے حضور پیش کیا گیا۔ تو وہ سر سے پاؤں تک پسینے سے شرابور اور خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کو دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھ سے اس قدر خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تو نہایت ہی غریب ماں کا بیٹا ہوں۔ تم حوصلے کے ساتھ میرے سامنے اپنا موقف پیش کرو۔ تجھ پر ذرہ برابر بھی زیادتی نہیں ہونے پائے گی۔ سیرۃ طیبہ کا یہ فیض تھا کہ آپ ﷺ کے جانشین اور خلفاء بھی تواضع اور انکساری کے بے مثال نمونہ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کی جلالت وتمکنت اور جذبات کے واقعات سے زمانہ آگاہ ہے، وہ

جن سے قیصر و کسریٰ کے حکمران لرزاں رہتے تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ ان کو ایک بوڑھی عورت نے سر بازار دیر تک کھڑے رکھا۔ کسی نے توجہ دلائی کہ بوڑھی اماں امیر المؤمنین کا وقت ضائع کرنے کے ساتھ یہ زحمت کیوں دے رہی ہو؟ تو اماں کے بولنے سے پہلے امیر المؤمنین نے فرمایا کہ بھائی چپ ہو جاؤ تمہیں کیا معلوم ہے کہ یہ عظیم المرتبت بی بی حضرت خولہؓ ہیں، جنکی سرگوشیوں اور گفتگو کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہمیشہ کیلیے اپنی کتاب میں محفوظ فرما دیا ہے:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ (المجادله: ۱)

''اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات کو سن لیا ہے جو اپنے خاوند کے متعلق آپ سے تکرار کرتے ہوئے دربار الٰہی میں شکایت کر رہی تھی اور اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے والے ہیں۔''

وقت کے امیر پر بھری محفل میں ایک آدمی نے اعتراض کیا تو لوگوں نے اس کے انداز گفتگو پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ تمہیں امیر المؤمنین کے ساتھ گفتگو کا سلیقہ سیکھنا چاہیے تو امیر المؤمنین نے فرمایا کہ انہیں رہنے دیجیے اگر یہ لوگ ہمارے ساتھ اس طرح آزادی کے ساتھ گفتگو نہیں کریں گے تو معاشرہ خیر سے خالی ہو جائے گا۔ اگر ہم میں سننے کی سکت نہ رہے تو لوگ عدل و انصاف سے محروم ہو جائیں گے۔

آج افسران بالا، معاشرے کی اعلیٰ شخصیات اور قومی قیادت کے لیے یہ واقعات مینارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں اپنے کردار کو اس روشنی سے منور کیے بغیر تو ہم اونچ نیچ اور ظلم کی تاریکیوں کو دور نہیں کر سکتے۔

(عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُتَكَبِّرٍ) (مشکوٰۃ باب الغضب و الکبر)

''حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آؤ میں تمہیں بتاؤں جنت میں جانیوالے کیسے ہوں گے؟ وہ لوگ عاجزی اور تواضع اختیار کرنے والے ہوں گے۔ جن کو دنیا میں لوگ کمزور سمجھتے تھے۔ حالانکہ اگر وہ اللہ کے بارے میں قسم اٹھائیں اللہ ان کی قسم کو ضرور پورا کردے۔ اسی طرح میں تم کو یہ بھی بتاتا جاؤں کہ جہنم میں اکھڑ مزاج، بدخو اور متکبر داخل کیے جائیں گے۔''

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر رسول ﷺ پر کھڑے ہوکر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے مسلمانو! ایک دوسرے کے ساتھ عاجزی اور خاکساری اختیار کیا کرو میں نے نبی محترم ﷺ سے سنا کہ:

(مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ) (مشکوٰۃ باب فضل الصدقه)

''جس نے عاجزی کا رویہ اختیار کیا اللہ تعالیٰ اسکی عزت کو ضرور دوبالا فرمائیں گے۔''

وہ اپنے آپ میں عاجز جانا جائے گا مگر لوگوں کی نظر میں عظیم ہوگا اور جس نے تکبر اور بڑے پن کا رویہ اختیار کیا اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی نظروں میں حقیر بنا دے گا چاہے وہ اپنے آپ کو کتنا ہی بڑا تصور کرے۔ اس لیے آپ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے:

(اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا)

اے اللہ! مجھے میری نظروں میں صغیر اور لوگوں کی نظروں میں معزز بنا دے۔

☆ سرکاری افسران، اعلیٰ حکام اور بڑے لوگوں کو ہر صورت اللہ کے حضور سرفگندہ اور بندوں کے ساتھ عجز وانکساری اختیار کرنی چاہیے۔

☆ جس نے اللہ کے لیے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ اسے بلند وبالا فرمائیں گے۔

☆ دشمن کو معاف کردینا سنت نبویؐ ہے۔

☆ ہر وقت شکر گزار لیکن کامیابی کے وقت تو مکمل عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وستائش اور شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

☆ رب کریم شکر گزار بندوں پر مزید عنایات فرماتے ہیں۔

دکھی انسانیت سے اظہار ہمدردی

ہمدردی اور غمخواری اللہ تعالیٰ نے انسان کی نیچر میں شامل کر دی ہے۔ جب جذبۂ ہمدردی انسان کے سراپے سے نکل جائے تو آدمی سے وہ جرم اور ظلم سرزد ہوتے ہیں کہ جو وحشی درندوں سے بھی کبھی سرزد نہیں ہوئے۔ یہ مروت اور محبت ہی تو ہے جب ختم ہوگئی تو مائیں اپنے معصوم اور ننھے منے بچوں کو اپنے ہاتھوں سے نہروں اور دریاؤں میں پھینکتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ جب ہمدردی اور غمگساری کا جذبہ انسانیت سے رخصت ہو جائے تو آدمی اپنے ہی جگر گوشے کا کلیجہ پھاڑ ڈالتا ہے انسانی معاشرہ صرف اسی جذبۂ محبت اور غمخواری پر قائم ہے۔ ان جذبات کا جس قدر فقدان ہوگا باہمی الفتیں اور رشتے اسی رفتار سے کمزور ہوتے جائیں گے۔ اس جذبہ خیر خواہی کی پذیرائی کے لیے آپ ﷺ نے ایک شخص کے استفسار پر فرمایا تھا:

(اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ) (مشکوٰۃ الشفقۃ و الرحمۃ علی الخلق)

''دین کا مرکزی نکتہ نگاہ اور مطمع نظر خیر خواہی ہے۔''

خوشی اور کامیابی کے موقع پر دوسرے کے ساتھ اظہار مروت کرنا بڑی آسان بات ہے۔ لیکن مشکلات اور مصائب میں گھرے ہوئے انسان کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری کا اظہار اعلیٰ اخلاق رکھنے والے شخص کا ہی نصیبہ ہوا کرتا ہے۔ اس کے برعکس کمینہ اور مفاد پرست آدمی فقط خوشیوں کا ساتھی ہوتا ہے۔

شریعت اسلامیہ نے غمخواری کو انسانی ہمدردی کے طور پر ہی نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق قرار دیا ہے اور جو شخص دوسرے کے حق کی ادائیگی میں جان بوجھ کر غفلت کا اظہار کرتا ہے اس کو میدان محشر میں لوگوں کے سامنے کھڑا کر کے رب کبریا ان الفاظ میں سوال کریں گے۔ میں ضرورت مند تھا تو نے وسائل رکھنے کے باوجود میری ضرورت کو پورا نہ کیا میں بھوکا اور پیاسا تھا تو تو نے مجھے کھانا اور پانی نہیں دیا۔ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت کی زحمت گوارا نہ کی۔

وہ بندہ حیران اور ششدر ہو کر عرض کرے گا کہ اے بارالہا! آپ رب العالمین ہونے کی بناء پر ان حاجتوں اور ضرورتوں سے پاک اور ماوراء ہیں۔ میں آپ کی کس طرح خدمت کرتا؟ تو پھر اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرمائیں گے کہ میرا افلاس بندہ ان مسائل میں مبتلا تھا تو نے آگے بڑھ کر اس کے ساتھ عملی ہمدردی کا اظہار کیوں نہ کیا۔ اگر تو اس کی یہ خدمت سرانجام دیتا تو آج میری خدمت کے مترادف تجھے اجروثواب سے نوازا جاتا۔

(مسلم، مشکوٰۃ باب عیادۃ المریض)

یہی تو شریعت ہمیں سمجھاتی ہے کہ جب کوئی دکھی انسانیت کے ساتھ تعاون اور ہمدردی کا اظہار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مسائل کو دور کر دیتے ہیں۔

(عَنْ اَبِیْ هُرَیرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَن نَفَّسَ عَن مُومِنٍ کُربَةً مِّن کُرَبِ الدُّنیَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ کُرْبَةً مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ)

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے: جو مؤمن کی دنیاوی مشکل حل کرنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی مشکلات آسان فرما دیں گے۔“

نبی محترم ﷺ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ کوئی حاجت مند آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے اس کی مشکل کو رفع کرنے کی کوشش فرماتے۔

ایک دفعہ کچھ لوگ دور دراز کا سفر کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے انہوں نے اپنی غربت وافلاس کا تذکرہ کیا نبی اکرم ﷺ ان کی حالت دیکھ کر اس قدر مضطرب ہوئے کہ آپ ﷺ وقفے وقفے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھتے کہ بلال رضی اللہ عنہ! کیا نماز کا وقت نہیں ہوا؟ جونہی نماز کا وقت ہوا آپ ﷺ جلد جماعت سے فارغ ہوئے اور اس دردانگیز لہجے کے ساتھ ان کے تعاون کیلیے لوگوں کو توجہ دلائی کہ چند منٹوں میں کپڑوں اور اناج کے

ڈھیر لگ گئے۔ جوں جوں لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں ان کے لیے تعاون پیش کر رہے تھے تو آپ ﷺ کا غمزدہ چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوا جا رہا تھا۔

اسی طرح جب آپ ﷺ کسی مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو اسکے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے ہوئے فرماتے کہ فکر نہ کیجیے آپ جلد صحت یاب ہو جائیں گے اور گناہوں سے پاک بھی۔ اس کے لیے آپ بڑے جامع الفاظ استعمال فرماتے:

(لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ) (مشکوٰۃ باب عیادۃ المریض)

''فکر نہ کیجیے اللہ تعالیٰ آپ کو جلد صحت یاب فرمائے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو دو جہاں کے لیے مجسمۂ رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ انسانی ہمدردی اور غمخواری میں کوئی چیز حائل نہ ہونے پائے۔ اسی سبب آپ ﷺ کے جذبۂ اخوت و ہمدردی سے صرف صحابہ رضی اللہ عنہم ہی فیض یاب نہیں ہوئے بلکہ آپ ﷺ غیر مسلموں کے ساتھ بھی انسانی ہمدردی کا پورا پورا مظاہرہ فرماتے آپ ﷺ کے علم میں لایا گیا کہ فلاں یہودی نوجوان کچھ دنوں سے شدید بیمار ہے تو آپ ﷺ وقت نکال کر فوراً اس کے گھر تشریف لے گئے دیکھا کہ وہ بیچارہ نزع کے عالم میں تھا آپ ﷺ نے اس کی نہایت ہی مشفقانہ انداز میں تیمارداری فرمائی اور گھر والوں سے اظہارِ ہمدردی کیا۔ اٹھنے سے پہلے رحمتِ دو عالم ﷺ نے اس نوجوان سے کہا کہ آپ کلمہ طیبہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں تو بیمار نے سوالیہ انداز سے اپنے یہودی باپ کی طرف دیکھا۔ یہودی آپ ؐ کے جذبۂ ہمدردی اور اخلاق سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اپنے بیمار بیٹے سے کہا کہ جس طرح ابوالقاسم ﷺ یعنی نبی اکرم فرما رہے ہیں آپ مسلمان ہو جائیں مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ اس کی خوش بختی کہ جونہی اُس کی زباں سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جاری ہوا اس کی روح پرواز کر گئی اور آج وہ جنت کی بہاریں لوٹ رہا ہوگا۔

(مشکوٰۃ باب عیادۃ المریض)

ایسے ہی موقع پر دوسروں کو تلقین کرتے کہ مریض کے آرام کا زیادہ سے زیادہ خیال

رکھنا چاہیے۔ اسی بنا پر آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بیمار کے پاس زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہیے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بیمار ہوا آپ ﷺ تیمارداری کے لیے میرے ہاں تشریف لائے تو عیادت کرتے ہوئے نبی محترم ﷺ میرے سر اور سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرماتے جا رہے تھے۔ ان شاء اللہ آپ جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ اس بیماری کے بدلے آپ سے سرزد ہونے والی کمزوریاں بھی اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ زندگی میں جب کبھی اس واقعے کا ذکر کرتے تو فرمایا کرتے تھے کہ میں آج بھی اللہ کے پاک نبی ﷺ کے دستِ مبارک کی ٹھنڈک محسوس کرتا ہوں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں امن وسکون، برادری اور معاشرے میں مروت اور بھائی چارے کی فضا پیدا ہو تو ہمیں ایک دوسرے سے تعاون اور ہمدردی کے لیے آگے بڑھتے ہوئے اسلاف کے نمونے کو اپنانا ہو گا۔ مسلم معاشرے کی اخلاقی فضا کا عالم یہ تھا کہ پڑوس یا رشتے داروں میں کوئی عورت بیمار ہو جاتی تو خواتین اپنا کام کاج چھوڑ کر اس کی تیمارداری کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جگر گوشۂ رسول، نبی محترم ﷺ کے انتقال کے بعد بیمار ہوئیں تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ جن کو موجودہ سیاسی زبان میں خاتونِ اول کا مقام حاصل تھا تو وہ دن رات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت اور تیمارداری میں لگی رہتیں۔ حتیٰ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اسی بیماری میں رحلت فرما گئیں۔

خواتین کی ہمدردی اور غمخواری کا عالم یہ تھا کہ جب غزوۂ احد کے موقع پر مسلمانوں کو وقتی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور یہ خبر آناً فاناً مدینے میں پہنچی تو پردہ نشین خواتین میدانِ احد کی طرف بے ساختہ دوڑتی ہوئی گئیں۔ اس موقعہ پر ایک غازی کا کہنا ہے کہ میں نے زخمیوں کی خدمت کرتے ہوئے ان بہنوں کو دیکھا کہ وہ اس انہماک کے ساتھ خدمت کر رہی تھیں کہ ان میں ایک معزز خاتون کو یہ خبر تک نہ تھی کہ میری پنڈلی کا کچھ حصہ ننگا ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ کی سنتِ مبارکہ کے ہی یہ اثرات ہیں کہ مسلمان حکمران بڑی بڑی مملکتوں کے فرمانروا ہونے کے باوجود دوسرے کی خدمت اور ہمدردی اس طرح کرتے کہ دیکھنے والا تعجب کے مارے

زمین میں گڑ جاتا اور اظہارِ ہمدردی کے اس عمل میں اپنے اور بیگانے کی تفریق نہ تھی۔

تین براعظموں کو زیرنگیں کرنے والے فرمانروا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کے ہاتھوں قیصر وکسریٰ کے تاج زمین پر آ رہے تھے انہوں نے ایک ضعیف اور کمزور عیسائی کو لاٹھی کے سہارے چلتے ہوئے ہاتھ میں کشکول پکڑے مانگتے ہوئے دیکھا تو اسقدر مضطرب ہوئے کہ بے ساختہ فرمایا: یہ کیسے گوارا ہوسکتا ہے یہ لوگ جوانی میں حکومت کو ٹیکس ادا کریں اور بڑھاپے میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھریں۔ اس لیے فوراً واپس پلٹے اور اپنے سیکرٹری کو کہا: آج کے بعد کمزور، حاجتمند اور بوڑھے لوگوں کے بلا تفریق مذہب وظائف جاری کردیے جائیں۔ (الفاروق)

جذبۂ ہمدردی کی بنا پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی فرمایا کرتے تھے:

(لَوْ مَاتَتْ شَاةٌ عَلٰى شَطِّ الفُرَاتِ جَائِعَةً لَظَنَنْتُ أَنَّ اللّٰهَ سَائِلِي عَنهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ) (البداية و النهاية)

''اگر دریائے فرات کے کنارے بکری کا کوئی بچہ بھوک کی وجہ سے مرگیا تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں بھی مجھ سے سوال کریں گے۔''

انسان تو درکنار جانوروں کے ساتھ ہمدردی کو نظام حکومت کا حصہ بناتے ہوئے امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مملکتِ اسلامیہ کے گوشے گوشے میں یہ قانون جاری کیا کہ کوئی شخص باربرداری کرتے ہوئے اونٹ یا کسی جانور پر حکومت کے مقررہ بوجھ سے زیادہ وزن نہ ڈالے ورنہ اسے قرار واقعی سزا دی جائے گی۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ)

☆ دین خیرخواہی اور ہمدردی کا خلاصہ ہے۔

☆ دوسرے کی مدد اللہ کی مدد کا سبب بنتی ہے۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر   خدا مہربان ہوگا عرشِ بریں پر

☆ بیماری سے آدمی کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

☆ دکھی اور بیمار آدمی کے ساتھ نہایت ہی مشفقانہ اور ہمدردانہ انداز اختیار کرنا چاہیے۔

☆ جانوروں کے ساتھ نرمی اور شفقت اسلامی تعلیم کا حصہ ہے۔

انسانیت کی فلاح و بہبود کی بے مثال جدوجہد

انبیائے کرام علیہم السلام کی تشریف آوری کا مقصد صرف یہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ ذکر و فکر اور اللہ کا حکم سنا کر مطمئن ہو جائیں۔ وہ تو ہر پہلو سے انسانی معاشرے کی فلاح کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ ان کی دعوت و فکر کا محور یہ رہا ہے کہ انسان رب کی بندگی اس طرح کرے جس سے رب راضی ہونے کے ساتھ دنیا بھی حسن و کردار کا مرقع بن جائے۔ کیونکہ اسلام دنیا کے ذریعے آخرت اور پھر آخرت کے راستے دنیا کو سنوارنا چاہتا ہے۔ جب تک افکار و کردار میں یہ توازن نہیں ہوگا تب تک انبیاء علیہم السلام کی تعیناتی کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔

انسانیت کو کردار کی اس منزل تک پہنچانے کے لیے انبیاء علیہم السلام کی آمد کا ایک طویل سلسلہ جاری رہا اور ان شخصیتوں نے ہر زاویے اور اینگل سے جدوجہد فرمائی جو صرف انہیں کا کام اور شان تھی تا آنکہ نبی محترم ﷺ نے انسانی اصلاح کی جدوجہد کو اس قدر دلسوزی اور جانفشانی کے ساتھ سرانجام دیا قریب تھا آپؐ کے اعصاب شل اور وجودِ اطہر کو کوئی روگ لگ جاتا اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ریلیف دیتے ہوئے یہ ارشادات فرمائے:

﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴾ (الشعراء : ٣)

”کیا آپ اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے۔“

﴿ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴾ (الغاشیة۔ پ ٣٠)

”نصیحت فرمائیں آپ تو فقط نصیحت کرنے والے ہیں۔“

﴿ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ﴾ (الانعام: ١٠٨)

”آپ ﷺ ان پر چوکیدار نہیں لگائے گئے۔“

اس جہد مسلسل کا اعتراف اور اس کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ شخص آپ ﷺ کی کوشش و کاوش اور عظیم کارناموں کو نہیں سمجھ سکتا جو
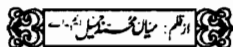
ہماری جہالت کی زندگی سے بے خبر ہے۔ اصلاح معاشرہ کا یہی وہ جذبہ تھا جس کی بدولت آپ ﷺ نے نبوت سے پہلے اس انجمن اور اس کے مقاصد کے لیے بھرپور حصہ لیا جس کو حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے اہم نکات یہ تھے:

ظالم کو ظلم سے روکنے کے لیے ہر اقدام کیا جائے گا۔

مظلوم کی ہر صورت میں مدد کی جائیگی۔

مسافروں، یتامیٰ، بیوگان اور غلاموں کے حقوق کی نگاہ داشت کی جائے گی۔

(الرحیق المختوم)

پہلی وحی کی کیفیت جب آپ ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس طرح بیان کی کہ میں غارِ حرا میں بیٹھا تھا۔ میرے پاس اس قسم کی شخصیت آئی اس نے مجھے قرآن پاک کے یہ الفاظ پڑھنے کے لیے فرمایا۔ میں نے کہا کہ میں پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ اس فرشتے نے اپنے سے بغل گیر کرتے ہوئے مجھے تیسری دفعہ اس طرح دبوچا کہ میں نے محسوس کیا کہ کہیں میرے سینے کی ہڈیاں نہ ٹوٹ جائیں۔ اب میں اپنی جان کے بارے میں شدید خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے کمبل دیجیے میں آرام کرنا چاہتا ہوں جب آپ ﷺ کی طبیعت سنبھل گئی تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کی حیاتِ مقدسہ کے بارے میں فرمایا:

(فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ) (بخاری باب کیف کان بداء الوحی)

''حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اللہ کی قسم میرے سرتاج یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں ہونے دیگا کیونکہ آپ ﷺ رشتے داریوں کو جوڑنے والے کمزوروں کا بوجھ اٹھانے، بے کسوں کی مدد، مہمان کی عزت کرنے اور معاملات میں حق اور سچ کی حمایت کرنے والے ہیں۔''

نبوت کے بعد جوں جوں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے وسائل اور اختیارات میں اضافہ فرمایا آپ ﷺ نے اسی قدر ہی قرآن وسنت کی تعلیم وتبلیغ کے ساتھ ساتھ لوگوں کے انفرادی اور اجتماعی مسائل اور مشکلات کو رفع کرنے کے بارے میں ہر ذریعہ اختیار فرمایا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے کئی بار یہ اعلان فرمایا:

''اگر مرنے والے کے سر پر قرض ہو اور اس کی ادائیگی کا انتظام نہیں تو ہم اس کی ادائیگی کریں گے۔''

اسی طریقۂ حیات کی پیروی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حکمران ہونے کے باوجود ایک نابینی بڑھیا کے گھر میں آدھی رات کے وقت صفائی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ (سیرت صدیق اکبرؓ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں خلافت کی حدود اور وسائل میں بے پناہ اضافہ ہوا تو انہوں نے رفاہ عامہ کے لیے بڑے بڑے منصوبے جاری کیے۔ تاجروں کو سہولتیں زراعت میں وسعت کے لیے ڈیم اور نہریں بنوائیں آبادکاری کے لیے شہر' بے روزگاروں حتیٰ کہ غیر مسلموں کی فلاح و بہبود کے لیے بھی وظائف مقرر کر دیے۔ اسی سلسلے کو امویوں اور عباسیوں نے اپنے دور میں جاری رکھا حتیٰ کہ جب مسلمانوں نے یورپ کی سرزمین پر اسلام کا پرچم لہرایا تو انہوں نے قرآن وسنت کے نفاذ کیساتھ ساتھ ملک کی ترقی اور عوام کی فلاح و بہبود اور رفاہ عامہ کے کاموں پر اس قدر توجہ دی کہ مشہور مستشرق 'سدیو' نے اپنی کتاب میں زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے:

''عرب چونکہ زراعت اور تجارت کے اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس لیے انہوں نے اندلس کی سرزمین کو سرسبز بنا دیا۔ ایک شہر سے دوسرے شہر اور کھیت سے منڈیوں تک سڑکوں کا مربوط جال بچھا دیا۔ اسپین میں صنعت وحرفت اور اخلاق وکردار میں اس طرح انقلاب برپا ہوا کہ جس کی اس سے پہلے کسی قوم میں مثال نہیں پائی جاتی۔ مسلمان قرآن پاک پر عمل کرنے کی وجہ سے کسی حسب و

نسب کی برتری پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے عوام اور حکمرانوں میں قربت اور عقیدت پائی جاتی تھی۔ ملک میں باغات، کپاس، ریشمی اور سوتی کپڑوں کی دستکاری اور اسلحہ کے کارخانے لگائے گئے۔ دریائے طونہ جو وانسہ کے قریب سمندر میں گرتا تھا۔ اس کے پانی کو سمندر سے چھ میل کے فاصلے پر بند بنا کر ذخیرہ کیا گیا۔ اس سے سات نہریں نکالی گئیں پھر نہروں کو راجباہوں میں تبدیل کر کے پورے ملک میں آب پاشی کا نظام مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم کیا گیا۔" (تاریخ ہسپانیہ)

آبادکاری

سپین کے جس حصے پر مسلمان حکمران بنے اسکو چھ صوبوں میں تقسیم کیا گیا جن میں ۸۰ نئے بڑے بڑے شہر ۳۰۰ قصبات بے شمار گاؤں اور بستیاں معرض وجود میں آئیں۔ صرف قرطبہ شہر میں دو لاکھ مکانات، چھ سو مسجدیں، پچاس ہسپتال، اسّی تعلیمی ادارے اور عام لوگوں کے نہانے کے لیے حمام بنوائے گئے اس وقت قرطبہ کی آبادی دس لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔

عوام کی اخلاقی حالت میں زبردست تبدیلی

قرآن حکیم نے اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں کی تفصیل دیتے ہوئے واضح اور دوٹوک الفاظ میں فرمایا۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾ (الحج: ٤١)

"اللہ جن لوگوں کو اقتدار و اختیار سے سرفراز فرمائے ان کا فرض ہے کہ وہ نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ نافذ کرنے کے ساتھ لوگوں کو نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کے اقدامات کریں ہر کام کا نتیجہ اللہ کے ہاں مرتب شدہ ہے۔"

اس حکم کے پیش نظر خلفائے راشدین لوگوں کی تعلیم و تعلم اور فلاح و بہبود کی طرف توجہ

رکھتے ہوئے اس بات کا خصوصی دھیان فرماتے کہ عوام کی اخلاقی قدروں بالخصوص حکومت کے منصب دارا پنے کردار کو لوگوں کے سامنے نمونے کے طور پر پیش کر سکیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مملکت کے تمام گورنرز کو خط لکھا کہ میرے نزدیک وہ شخص حکومت کی ذمہ داریوں کے بارے میں نااہل قرار پائے گا جو نماز اول وقت پر ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ پھر انہوں نے اپنے پہلے خطاب میں یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ ظالم میری حکومت میں سب سے زیادہ کمزور اور مظلوم ہماری نگاہ میں طاقتور سمجھا جائیگا۔ ان کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ نظام حکومت اس وقت تک ہی عدل وانصاف کے معیار پر پورا اتر سکتا ہے۔

جب تک مظلوم کا ہاتھ ظالم کے گریبان تک پہنچ سکے۔ خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ حکومت کے عہد یداران کو وقتاً فوقتاً ہدایات جاری فرماتے اور پھر ان احکامات پر عملداری کی کڑی نگرانی ان کے طرز حکومت کا مستقل حصہ تھا۔ ایک دفعہ فوج کے کور کمانڈرز کو مراسلہ جاری کیا کہ تمہیں جرائم اور گناہوں سے بچنے کے لیے سب سے زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہی تمہاری قوت وسطوت کا راز ہے ورنہ دشمن کے مقابلے میں کسی اعتبار سے تم غلبہ وقوت نہیں حاصل کر سکو گے ان کے مراسلے کے مقدس الفاظ یہ ہیں۔

(اُوْصِيْكُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا اَشَدَّ حِرَاصًا مِنَ الْمَعَاصِيْ مِنْ عَدُوِّكُمْ)

(البداية و النهاية)

”میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تمہیں اپنے دشمن کی نسبت گناہوں سے بچنے کی زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔“

اسی طرح خلافت عباسیہ کے دوسرے حکمران ابو جعفر منصور نے لوگوں کے اخلاق اور کردار کو سنوارنے کے لیے یہاں تک توجہ فرمائی کہ ایک مرتبہ اسے شاہی محل میں گانے بجانے کی آواز سنائی دی۔ وہ آدھی رات کے وقت اٹھا۔ ایک جگہ پہنچ کر اس نے دیکھا کہ ایک غلام طنبورہ (باجا) بجا رہا ہے۔ چند کنیزیں اس کے آس پاس بیٹھی ہنس ہنس کر داد دے رہی ہیں۔ خلیفہ کو دیکھ کر وہ اِدھر اُدھر چھپ گئیں۔ خلیفہ منصور نے حکم دیا کہ یہ طنبورہ بجانے

والے کے سر کے اوپر پھاڑ دیا جائے اور اس کے بعد تمام ایسے خدام کو شاہی ایوان سے نکل جانے کا حکم دیا۔

مسلمان حکمران اخلاقی اقدار کا اس قدر خیال اور احترام کرتے تھے کہ ایک دفعہ مشہورِ زمانہ طبیب بختیشوع شاہی مہمان کی حیثیت سے بغداد میں ٹھہرا ہوا تھا۔ جب دسترخوان پر اسے کھانے کی دعوت دی گئی وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہتا ہے کہ میں تو شراب کے بغیر کھانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ امراء کے سمجھانے کے باوجود اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔ فوری طور پر خلیفہ منصور کو اطلاع دی گئی تو انہوں نے اندر سے جواب بھیجا کہ اسے بھوکا رہنے دیجیے ہم اس کی وجہ سے اپنی دینی اور اخلاقی اقدار تباہ نہیں کر سکتے۔ شام کے وقت کھانے پر جب آسے دعوت دی گئی تو سارا دن بھوکا رہنے کیوجہ سے اس نے کھانا کھانا شروع کیا۔ جب پانی پی کر فارغ ہوا تو اپنی خفت مٹاتے ہوئے اس نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ شراب سے زیادہ بھی کوئی لذیذ مشروب ہوسکتا ہے۔ دجلہ کے پانی نے تو میرے ذہن سے شراب کی لذت محو کر دی ہے۔ اب مجھے شراب کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

عوامی مراعات

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ دنیا میں اس لیے جلوہ گر ہوئے کہ لوگوں کے عقائد اور اعمال کو خدائی ہدایت کے سانچے میں ڈھال دیں اس مشن کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے ذمہ یہ ڈیوٹی بھی لگائی گئی کہ آپ ﷺ لوگوں کو ہر قسم کے ناروا بوجھ غلط نظام کی پابندیوں اور سماج کی نامناسب رسومات سے نجات دلوائیں۔ قرآنِ حکیم نے اس انقلابی منصوبے کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

﴿ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ ﴾ (الاعراف: ۱۵۷)

”ان پر وہ بوجھ اتار دیے جائیں جو ان پر لدے ہوئے ہیں اور ہر قسم کی ناجائز

پابندیوں کو توڑ دیا جائے جن میں ان کو جکڑا گیا ہے۔لہٰذا جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے اور آپ ﷺ کی حمایت اور مدد کرینگے اور اس روشنی کی پیروی کریں جو آپ ﷺ پر نازل کی گئی۔وہی کامیاب وکامران ہوں گے۔"

اسی کی روشنی میں قادسیہ کے معرکے کے وقت جب حضرت ربیع رضی اللہ عنہ ایرانی کمانڈر رستم کے ساتھ مذاکرات کررہے تھے تو اس نے یہ استفسار کیا کہ تم ہماری سرحدات میں کیوں داخل ہوئے ہو تمہارے آنے کا مدعا کیا ہے؟ تو جناب ربیع ﷺ نے ایرانی تہذیب وتمدن کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں اسلام کی اس طرح ترجمانی کی تھی۔

(اِنَّا قَدْ اُرْسِلْنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمَاتِ الْجَهَالَةِ اِلٰى نُوْرِ الْاِسْلَامِ وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوْكِ اِلٰى عَدْلِ الْاِسْلَامِ) (البدایه و النهایه)

"ہم آئے نہیں بلکہ ہمیں بھیجا گیا ہے۔اس لیے کہ لوگوں کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لایا جائے اور لوگوں کو مظالم سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف سے ہمکنار کیا جائے۔"

قرآن وسنت اور خلفاء کے کردار کی اس روشنی میں ہر مسلمان حکمران پبلک پر کسی قسم کا بوجھ گوارا نہیں کرتے تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سپیشل برانچ کے کارپردازوں نے یہ رپورٹ بھیجی کہ مصر کے علاقے میں مسافروں پر نہر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے پہنچنے کے لیے علاقے کے لوگوں نے ٹال ٹیکس لگا رکھا ہے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر اس کا نوٹس لیتے ہوئے وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مجھے یہ شکایت پہنچی ہے کہ مسافروں سے یہ ناجائز ٹیکس وصول کیا جارہا ہے۔میرا حکم پہنچتے ہی اس ٹال ٹیکس کو فوری طور پر ختم کردیا جائے اگر اس کے باوجود بھی لوگ باز نہ آئیں تو انہیں قرار واقعی سزا دینی چاہیے۔

انہی کی اتباع کرتے ہوئے خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے سے پیش رو حکمرانوں کے لگائے گئے ناجائز محصولات کو بیک جنبش قلم ختم کرنے کے لیے آرڈر جاری فرمائے اور ان الفاظ میں فرمان جاری کیا کہ اللہ نے اپنے نبی آخر الزمان کو تحصیلدار کی

بجائے معلم بنا کر بھیجا تھا یعنی حکومت کو لوگوں سے مال بٹورنے کی بجائے ان کی اخلاقی اور روحانی تربیت کی طرف بھرپور توجہ رکھنی چاہیے۔ انہوں نے ناجائز محصولات (Taxes) کو ختم کرنے کیلیے اس قدر سخت حکم صادر فرمایا کہ ناجائز محصولات ہی نہیں بلکہ ایسے دفاتر کو بھی ملیا میٹ کر دیا جائے چنانچہ وہ مصر کے گورنر کو اس انداز سے انتباہ آمیز خط لکھتے ہیں۔

(اَنْ اَرْکَبَ اِلَی الْبُیْتِ الَّذِیْ بَرَفْحِ الَّذِیْ یُقَالُ لَهٗ بَیْتُ الْمَکْسِ فَاَهْدِمُهٗ ثُمَّ اَحْمِلُهٗ اِلَی الْبَحْرِ) (کتاب الاموال)

''عوام سے ناجائز ٹیکس وصول کرنے والے دفتر کو نہ صرف مٹانا ہوگا بلکہ اس کے ملبہ کو فوری طور پر دریا برد کر دیا جائے۔''

ماضی بعید میں جھانکنے کی بجائے زمانہ قریب میں دیکھیں برصغیر کے رحمدل اور نیک حکمرانوں نے جب عنان حکومت سنبھالا تو فوری طور پر رعایا پر معاشی بوجھ کم کرنے کیلیے ہر قسم کے ناجائز ٹیکس ختم کرنے کے احکامات جاری کیے۔ برصغیر کی تاریخ شیر شاہ سوریؒ اور فیروز شاہ تغلق کی اس رعایا پروری کی آج بھی شہادت دے رہی ہے۔

شیر شاہ سوری نے تقریباً سوا تین سال کے اندر شاہراہوں کا جال بچھایا' افسران کے ظلم وستم کو ختم کیا اور ملک میں اس قدر امن وامان قائم ہوا کہ مسافر مال ومتاع رکھنے کے باوجود سفر کے دوران اس طرح بے فکر ہو کر سویا کرتے تھے جیسے کوئی شہزادہ مضبوط قلعے میں پہرہ داروں کی نگرانی میں آرام فرمار ہا ہو اور یہی انداز حکمرانی فیروز شاہ تغلق کا تھا اس نے عوامی فلاح و بہبود کا اس تیزی اور منصوبہ بندی کے ساتھ کام کیا کہ جن کی فہرست اتنی طویل ہے جس کو چند صفحات میں بیان کرنا کاردار کے مترادف سمجھا جائے گا۔

اسی طرح ہی ہندوستان کے درویش فرمانروا اورنگ زیب عالمگیر نے جب عنانِ حکومت سنبھالی تو اس نے ٹیکس کے نظام کا ازسرنو جائزہ لیا اور عوام پر ظلم محسوس کرتے ہوئے بیک جنبشِ قلم مختلف قسم کے اسی ٹیکس معاف کر دیے جنکا تخمینہ بیس لاکھ کے قریب تھا۔

☆☆☆

قانون کا احترام

آئین اور قانون اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں عدل و انصاف اور توازن پیدا کیا جائے۔ اس لیے نہایت ضروری ہے کہ اوپر سے لے کر نیچے تک ہر شہری آئین اور ملکی ضابطوں کا احترام کرے۔ قانون کے احترام کا تصور دیتے ہوئے آپ ﷺ کی زبانِ اطہر سے یہ اعلان کروایا گیا:

﴿ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَo ﴾ (انعام: ۱۶۳)

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے تسلیمات پیش کروں۔''

دین کے ضابطۂ حیات کے ساتھ آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان تھا:

(اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ) (مشکاۃ باب لافلاس و النظار)

''مسلمانوں پر باہمی طے پانے والے معاہدات اور قانون کا احترام لازم ہے۔''

آئین اور قانون جتنا چاہے بہتر سے بہتر بنا لیا جائے۔ اگر اس پر سختی کے ساتھ عمل درآمد نہ کیا جائے تو عملی دنیا میں اس کا ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لیے کامیاب حکمران اور افسر وہی ہے جو قانون کے نفاذ کو یقینی بنائے۔ سب سے پہلے سرورِ دو عالم ﷺ نے اس تصور کو اجاگر کیا اور دنیا کے سامنے عملی نمونہ پیش فرمایا۔

ہوا یوں کہ آپ ﷺ کی خدمت میں چوری کا پہلا مقدمہ پیش ہوا جس میں عرب کے معزز اور بااثر خاندان کی فاطمہ نامی عورت نے چوری کا ارتکاب کیا۔ معافی کے لیے آپ ﷺ کے حضور اس کی سفارش پیش کی گئی جس کے والد کو آپ ﷺ نے منہ بولا بیٹا قرار دیا تھا۔ جناب اسامہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی شفقت اور تعلق کو سامنے رکھتے ہوئے اس عورت کو معاف کرنے کی سفارش کی تو سنتے ہی آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور لوگوں کو اکٹھا کر کے آپ ﷺ نے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

''لوگو تم سے پہلے کئی ملتیں اس لیے تباہ ہو گئیں کہ ان میں قانون پر عملدرآمد

کرنے میں بے انصافی پائی جاتی تھی۔ بااثر کو چھوڑ دیا جاتا اور دوسرے پر قانون کا شکنجہ کس دیا جاتا۔ سنئے اگر میری لخت جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ غلطی ہو جاتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔"

(لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا)

(مشکاۃ باب الشفاعۃ فی الحدود)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قانون کی عمل داری کو اس قدر یقینی بنایا کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کی گرفت سے نہ بچ سکے۔ یہ سب کچھ اس لیے ممکن ہوا کہ انہوں نے اپنے بیگانے اور چھوٹے بڑے کی تفریق حائل نہیں ہونے دی۔ یہاں تک کہ ان کے بیٹے سے مصر میں ایک غلطی سرزد ہوئی اس پر بھی قانون کا اطلاق کیا گیا۔ اسی کا اثر تھا کہ مملکت کے کارپرداز حضرات قانون کے بلا امتیاز اور فوری نفاذ میں ہی دنیا اور آخرت کی خیر سمجھتے تھے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کے دو صوبوں میں نبی اکرم ﷺ نے ہی تعینات فرمایا تھا۔ ایک دفعہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ' ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو ملنے گئے دیکھا کہ ایک مجرم کو گورنر اشعری رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ لوگ حد نافذ کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ جناب ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر استقبال کے لیے آگے بڑھے۔ اس صورتِ حال میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے سواری سے اترنے سے پہلے گورنر اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا: میں اس وقت تک نہیں اتروں گا جب تک آپ مجرم پر حد نافذ نہیں کر دیتے۔ چنانچہ فی الفور قانون حرکت میں آیا۔ (تاریخ ابن کثیرؒ)

یہ قانون کی حکمرانی کا نتیجہ تھا کہ کوفے جیسی سرزمین جہاں بڑے بڑے سپہ سالار امن و امان قائم کرنے میں بے بس دکھائی دیتے ہیں جب ملک میں قانون کی حکمرانی کی فضا پیدا ہوئی تو جو چوکیدار پہرہ دیتے ہوئے اعلان کر رہا تھا کہ لوگو جاگتے رہنا نئے آنے والے گورنر نے یہ الفاظ سنے تو چوکیدار کو حکم دیا کہ اب کوفے کی گلی کوچوں میں یہ اعلان کر کے اپنے گھر

پلٹ جاؤ اگر کسی کے ہاں ڈاکہ یا چوری ہو تو وہ چور تلاش کرنے کی بجائے گورنر ہاؤس پہنچ جائے گورنر زیاد کے الفاظ یہ تھے

(اِرْجِعُوْا اِلٰی مَضَاجِعِکُمْ اَنَا حَارِسٌ عَلَیْکُمْ) (ابن کثیر)

مسلمان حکمران قانون کا اس قدر احترام اور لحاظ رکھتے تھے کہ دولت عثمانیہ کے حکمران سلیمان اعظم نے تمام حکام اور سلطنت کے اعلیٰ عہدے داروں کو بڑی سختی کے ساتھ یہ احکام اور فرامین جاری کر رکھے تھے کہ رعایا میں کسی قسم کا جبر و تشدد، امیر اور غریب میں امتیاز اور انتظامی معاملات میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کسی قسم کا فرق گوارا نہیں کیا جائیگا۔ اس نے اپنے اڑتالیس سالہ دورِ حکومت میں اس پر اس قدر سختی کیساتھ عمل کیا کہ تاریخ کے اوراق میں اسے قانونی خلیفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

☆☆☆

☆ ایک دوسرے کی خیر خواہی اور انسانیت کی خدمت کو شعار بنائیے۔
☆ قانون کا احترام اور باہم طے شدہ امور کا اکرام کیجیے۔
☆ حکمران کا فرض ہے کہ لوگوں کے مال، جان، عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔
☆ قانون کے نفاذ میں طبقاتی امتیاز قوموں کی تباہی کا سبب ہوا کرتا ہے۔
☆ قانون کا فوری نفاذ عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔

☆☆☆

خوشی اور شادمانی کے پیامبر

اللہ کا دین انسان کو دنیا وآخرت کی خوشحالی اور مسرت وشادمانی سے سرفراز کرنے کیلیے آیا ہے۔نزول آدم علیہ السلام کے وقت سے یہ فرمان ہے کہ اگر میری ہدایات وفرامین کے مطابق زندگی بسر کرو گے تو تمہیں کسی قسم کا خوف وخطرہ نہ ہوگا عارضی پریشانیوں اور مشکلات کو چھوڑ کر دائمی خوشی تمہارا مقدر بن جائیگی۔دین لوگوں کے مسائل حل کرنے اور پریشانیاں دور کرنے کا نام ہے۔اس لیے مسلمانوں کو دعا کی صورت میں یہ فکر عطا کی گئی:

﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

(البقرہ: ۲۰۱)

”اے اللہ ہماری دنیا اور آخرت کو بہتر بناتے ہوئے آگ کے عذاب سے محفوظ فرمانا۔“

نبی اکرم ﷺ کے منصب کے حوالے سے قرآنِ حکیم میں متعدد بار یہ ارشاد ہوا:

﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ (الاحزاب: ٤٥)

”آپ کو گواہ اور بشیر ونذیر بنا کے بھیجا گیا ہے۔“

اس لیے نبی علیہ السلام نے دین کی اشاعت کے لیے جہاں بھی اپنے نمائندوں کو بھیجا انہیں دوسری ہدایات کے ساتھ یہ فرمان بھی جاری کیا کہ لوگوں میں نفرت کی جگہ محبت اور مایوسیوں کی بجائے خوشی اور کامیابیوں کا پیغام دیا جائے۔

(بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا)

(مشکاۃ باب ماعلی الولاۃ من التیسیر)

”نفرتیں پھیلانے کی بجائے لوگوں کو (شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے) خوش رکھنے کی مقدور بھر کوشش کیجیے سختیوں کی بجائے آسانیاں پیدا کرو۔“

کوہِ صفا اور مکہ معظمہ کے ابتدائی خطابات ہجرت اور غزوہ خندق حتیٰ کہ آخر تک آپ

ﷺ لوگوں کو دین حنیف کا تعارف کرواتے ہوئے مسلسل فرماتے چلے گئے کہ لوگو! اگر اس نظامِ حیات کو عملاً قبول کر لو گے تو میں تمہیں عرب و عجم کے سیاسی اقتدار اور دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضمانت دیتا ہوں۔

(اَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا تَمْلِكُوْا بِهَا الْعَرَبَ وَالْعَجَمَ)

(مسند احمد)

"اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ پڑھ لو، عرب و عجم کے مالک بن جاؤ گے۔"

ایک دفعہ عدی بن حاتم سے گفتگو کرتے ہوئے اس سے استفسار کیا کہ عدی! شاید آپ اس لیے مسلمان نہیں ہو رہے کہ ہم غریب اور کنگال ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ بھی سوال کیا کہ ہو سکتا ہے آپ اس لیے مسلمان نہیں ہو رہے کہ ہم روئے زمین پر کہیں بھی برسرِ اقتدار نہیں ہیں۔ تو جناب عدی نے جواب دیا: اللہ کے نبی ﷺ! آپ نے صحیح اندازہ فرمایا ہے۔ تب آپ ﷺ نے بڑے اعتماد اور وقار کیساتھ فرمایا: عدی! عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ فرمانروائے روم جو چین شان و شوکت اور حسن و زیبائی کے لیے اپنی کلائیوں میں پہنتا ہے وہ چین (Chain) تیری کلائیوں میں سجائے جائیں گے۔ نظامِ حیات میں اجتماعی کامیابیوں کی نوید سنانے کے ساتھ آپ ﷺ نے فرد کی خوشی کا اہتمام بھی کیا۔

ذاتی اخلاق کے حوالے سے آپ ﷺ نے پہاڑ جیسی مشکلات، سمندری طوفانوں کی طرح آنے والے صدمات اور آندھی کی طرح آنے والی ذاتی اور جماعتی پریشانیوں کے باوجود اس طرح زندگی گزارنے کا سبق دیا کہ دیکھنے والا آپ ﷺ کے چہرے اور انداز سے آپ ﷺ کی دلی کیفیت سے آگاہ نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ ﷺ اکثر مسکراتے اور لہلہاتے چہرے کے ساتھ لوگوں سے ملتے بڑی سے بڑی مشکل اور پریشانی میں اپنے ساتھیوں کو حوصلہ اور خوش رکھنے کی کوشش فرماتے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نوجوانی میں یتیمی کے صدمے سے دوچار ہوئے اور ان کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں افراتفری کے عالم میں مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

اسلام کے غداروں نے پراپیگنڈہ کیا کہ جابر رضی اللہ عنہ کا والد شہید نہیں ہوا بلکہ جانور کی موت مر گیا ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کی چھ چھوٹی چھوٹی بہنیں، بیوہ ماں اور سر پر قرضے کی تلوار لٹک رہی تھی۔

باپ کی شہادت اور منافقوں کی یاوہ گوئی نے ان کو پریشانیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیا تھا۔ ہر وقت کملائے اور مرجھائے ہوئے چہرے کے ساتھ رہنا انکا معمول بن گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کی افسردگی کو دیکھ کر اپنے پاس بٹھایا، تسلی دی اور ڈھارس بندھاتے ہوئے فرمایا: برخوردار! تمہیں صبر اور حوصلہ کرنا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ کے یہ الفاظ سن کر ان کے صبر کا پیالہ چھلک پڑا وہ سسکیاں لے کر زار و قطار رونے لگے۔ اسی حالت میں آپ ﷺ نے انکو یہ خوشی کا پیغام دیا:

﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾ (البقرہ: ١٥٤)

”جو اللہ کے راستے میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ تو حیاتِ جاوداں سے سرفراز ہو چکے ہیں مگر تم (اس زندگی کی حقیقت کو) نہیں سمجھ سکتے۔“

پھر آپ ﷺ نے ان کے قرضے کی ادائیگی کا انتظام کرنے کے بارے میں فرمایا۔ نبی محترم ﷺ اس جوان کو اس الفت و محبت کیساتھ تسلی دے رہے تھے۔ آپ ﷺ اپنے دستِ مبارک کو جابر رضی اللہ عنہ کے کندھے اور سر پر پھیرتے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس واقعہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ میں آج بھی اللہ کے پیغمبر ﷺ کے ہاتھ کی ٹھنڈک اور سکون محسوس کرتا ہوں۔ فکر مند لوگوں کی غمی دور کرنے کے لیے کبھی ہلکہ پھلکا مذاق بھی فرماتے تا کہ ان کی طبیعت پر غم کا بندھن ڈھیلا ہو جائے۔

آپ ﷺ کی خوش طبعی کا انداز

ایک ضرورت مند اور غمزدہ اماں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ عرض کر رہی تھیں کہ مجھ سے چلا نہیں جاتا۔ کہیں آنا جانا ہوتا ہے۔ میرے لیے سواری کا انتظام کیا جائے۔ تو

آپ ﷺ نے انکی افسردگی کا بوجھ کم کرنے کے لیے فرمایا: اماں! ہم آپ کو اونٹنی کا بچہ دیتے ہیں۔ تو وہ بوڑھی کہنے لگی' ھاھا! میں اسے کیا کروں گی؟ اس انداز سے جب اس کی طبیعت کچھ ہلکی ہوگئی تو فرمایا کہ میری ماں ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی ہوا کرتا ہے۔

(مشکوٰۃ باب المزاح)

اس طرح آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی خوشیوں میں صرف شریک ہی نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ ان کی خوشی کو دوبالا کرنے کے لیے ان جیسا انداز اپنا کر ان کے مسرت و انبساط میں اضافہ فرماتے۔

ساتھیوں کی خوشی میں شرکت

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے بحرین سے مالِ غنیمت کا کثیر حصہ مدینہ طیبہ روانہ کیا۔ جس رات بیت المال کا قافلہ پہنچا' اس صبح مسجد نبوی ﷺ کی حالت دیدنی تھی۔ لوگ اپنے محلے کی مسجدیں چھوڑ کر اس قدر ذوق وشوق سے مسجد نبوی ﷺ میں آئے کہ مسجد تنگی داماں کی شکایت کر رہی تھی۔ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو انصار کے ایسے لوگوں کو بھی مسجد میں دیکھا جو عام حالات میں اپنے محلے کی مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ آج آپ اس لیے ہماری مسجد میں آئے ہیں کہ آپ نے سن لیا ہوگا کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا مال رات کو پہنچ چکا ہے۔ تو انصار بے ساختہ ہنس پڑے آپ ؐ نے بھی ان کے ساتھ شامل ہوتے ہوئے تبسم فرمایا۔ (فتوح البلدان)

اہلیہ کے ساتھ خوش مزاجی

ایسے ہی آپ ﷺ اپنے گھر والوں کے ساتھ ہر حال میں خوش و خرم رہنے کی کوشش فرماتے تھے۔ آپ ﷺ گھر میں تشریف لائے تو آپ کی زوجہ مکرمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے سر کو پکڑے ہوئے شدتِ درد کی وجہ سے ہائے سر پکار رہی تھیں۔ جب ان کی تکلیف میں مزید اضافہ ہوا تو ان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ آپ ﷺ نے ان کو بہلانے اور

غم ہلکا کرنے کیلیے فرمایا: عائشہ! آپ پسند نہیں کرتیں کہ آپکا انتقال ہو اور میں بذاتِ خود تمہیں غسل دوں، تمہارا جنازہ پڑھاؤں اور اس طرح اپنے ہاتھوں سے تجھے قبر میں دفن کروں؟ بس اتنا کہنا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی توجہ بیماری سے ہٹ گئی اور کچھ سنبھلتے ہوئے کہنے لگیں: ہاں ہاں آپ تو چاہتے ہیں کہ میں مرجاؤں اور میرے خالی گھر میں نئی نویلی ایک اور دلہن لے آئیں۔ (مشکوٰۃ باب وفات النبیؐ)

اس طرح آپ ﷺ نے ان کے غم کو چند لمحوں میں ہلکا فرمادیا۔ لیکن کسے معلوم تھا۔ چند ہی دنوں بعد آپ ﷺ خود بیمار ہوئے اور وہ بیماری آپ کے انتقال کا سبب بن گئی۔ اس طرح انسانیت کو خوشیوں اور شادمانیوں سے سرفراز کرنے والے ہمیشہ کے لیے اللہ کے حضور پہنچ گئے۔

آپ ﷺ کی بے تکلفی

زاہر بن حزام رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے باہر ایک بستی میں مقیم تھے۔ وہ کبھی کبھار نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دیہات سے کوئی سوغات اور سبزی وغیرہ لاکر پیش کرتے۔ جب وہ اپنی مصروفیت سے فارغ ہوکر آپ ﷺ سے الوداعی ملاقات کرتے ہوئے اپنے گھر جانے لگتے تو اللہ کے نبی ﷺ اس سے بڑھ کر اسے مدینے کے تحائف سے نوازتے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے اس سے خوش طبعی سے فرمایا کہ زاہر! تو ہمارا دیہات ہم تمہارے شہر ہیں۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ بڑی الفت کا اظہار فرماتے۔

ایک دفعہ وہ مدینہ کی منڈی میں کوئی مال بیچ رہے تھے کہ آپ ﷺ نے پیچھے سے اچانک ان کی آنکھوں پر اپنا دست مبارک رکھتے ہوئے اس طرح اس کو پکڑا کہ وہ مڑ کر نہ دیکھ سکتے تھے۔ اس نے پورا زور لگایا مگر آپ ﷺ کا ہاتھ نہ ہٹاسکے۔ مجبور ہوکر کہنے لگے کہ آپ کون ہیں۔ میری جان چھوڑیئے۔ تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ تھوڑا سا ڈھیلا کیا انہوں نے ترچھی آنکھ سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو رحمت عالم ﷺ میرے ساتھ محبت کا اظہار کر رہے ہیں؟ پھر اس کی یہ حالت تھی کہ اپنی کمر نبی پاک ﷺ کے سینے سے جوڑے جارہے

تھے۔ آپ ﷺ نے چھوڑتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا کہ کون اس غلام کو خریدے گا۔ زاہر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس نکمے اور کھوٹے مال کو کون خریدنے کے لیے تیار ہوگا؟ تب آپ ؐ نے فرمایا کہ زاہر! تم اللہ کے نزدیک کھوٹے نہیں بہت قیمتی ہو۔

(مشکوۃ باب المزاح)

آپ ﷺ کی اپنے حجام سے خوش طبعی

دس ہجری کو آپ ﷺ صفا اور مروہ کی سعی سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے حجام کو طلب فرمایا جو اس وقت آپ کے ساتھ حج کر رہا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے بڑی خوشی سے آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ ﷺ نے بال منڈوانے کے لیے اپنا سر مبارک آگے کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کے رسول نے اپنا سر آپ کے حوالے کر دیا ہے جبکہ تمہارے ہاتھ میں استرا بھی ہے۔ کہیں............؟ تو اس نے ہنستے ہوئے عرض کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ میں تو اس احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتا کہ اللہ نے مجھ جیسے ناچیز آدمی کو آپ ؐ کے مبارک بال تراشنے کی سعادت حاصل کرنے کا موقع نصیب فرمایا۔ (مسند امام احمد)

عجب صحابی رضی اللہ عنہ

آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر حسن و جمال دبدبہ و رعب عطا فرمایا تھا کہ بڑے سے بڑے آدمی کی آنکھیں بھی آپ کے سامنے جھک جاتیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت یہ تھی جب آپ کی توجہ دوسری طرف یا نگاہیں جھکی ہوتیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم سیر چشم ہو کر دیدار کا شرف حاصل کرتے۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا تو بڑی دور کی بات آپ کے چہرہ پر انوار کو دیکھنے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ سوائے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے۔ ان کے ساتھ آپ کے تعلق و صحبت کا عالم یہ تھا۔ کہ دونوں بزرگ روبرو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کوئی بات عرض کرتے۔ (مشکاۃ باب مناقب ابی بکر و عمر)

احادیث وسیرت کی کتابوں میں صرف ایک صحابی ① کے بارے میں چند ایک واقعات موجود ہیں کہ وہ ایسی کھلی طبیعت کے مالک تھے کہ عام لوگ تو درکنار اسے جونہی موقع ملتا تو وہ ادب واحترام کے دائرے میں رہتے ہوئے سرورِ دوعالم ﷺ کے ساتھ بھی خوش طبعی کرلیا کرتے تھے۔ وہ کبھی کبھار یوں بھی کرتے' بازار میں آنے والی کوئی نئی چیز لاکر آپ کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کرتے کہ اللہ کے رسول ﷺ یہ تحفہ قبول کیجیے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد اس دکاندار کو ساتھ لیے ہوئے عرض کرتے یا نبی اللہ! وہ جو میں نے فلاں چیز آپ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ میرے پاس پیسے نہیں ۔ ازراہ کرم اس کی قیمت اس دکاندار کو ادا فرما دیجیے۔ تب آپ ﷺ مسکراتے ہوئے فرماتے: یہ عجب تحفہ تھا جس کی قیمت بھی ادا کرنا پڑ رہی ہے۔ (فتح الباری)

☆☆☆

☆ شریعت کی حدود میں رہ کر ایک دوسرے کو خوش رکھنا سنت نبوی ﷺ ہے۔

① زندگی میں یہی ایک خوش قسمت ہے جس کے ساتھ اس طرح محبت کا انداز اختیار فرمایا۔

آپ ﷺ کے دل نازک پر وارد ہونے والے صدمات

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں علیہ السلام کو ہر اعتبار سے اسوہ اور نمونہ بنانا ہوتا ہے اس لیے ان پر ہر قسم کے حالات وواقعات وارد کرتا ہے۔ تا کہ وہ ہر زاویے سے لوگوں کے لیے عملی نمونہ بن کر سامنے آئیں۔ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم تو انسان ہیں اگر نبی پر یہ واقعات وارد ہوتے تو پھر دیکھتے کیا ہوتا؟ انسانی زندگی میں عسر یسر، غمی خوشی اور حالات کی ناہمواری کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔

﴿ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۝ ﴾ (ال عمران: ۱۴۰)

''ہم لوگوں کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔''

اللہ کے پیغمبر علیہ السلام اس سے مستثنیٰ نہیں ہوتے۔ بلکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ سب سے زیادہ مصائب وآلام انبیاء علیہم السلام کو پیش آیا کرتے ہیں۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ نیک لوگوں کو واسطہ پڑتا ہے اور پھر آپ ﷺ نے اس بات کا بھی اظہار فرمایا کہ سب سے زیادہ مصائب اور مشکلات کا مجھے سامنا کرنا پڑا۔ (مشکوٰۃ)

یہ مصائب وصدمات ذاتی، اجتماعی اور عزیز واقرباء کے حوالے سے آپ ﷺ کو درپیش آئے۔ قرآن حکیم نے لوگوں کی پریشانیوں اور تکالیف کے حوالے سے آپ ﷺ کی ذات طہر پر ہونے والے اثرات کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (توبہ: ۱۲۸)

''دیکھیے تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے، جو تم ہی سے ہے، تمہاری تکلیف اس پر بڑی شاق گزرتی ہے۔ وہ تمہاری کامیابیوں کا چاہنے والا ہے، ایمان والوں کے لیے نہایت شفیق ورحیم ہے۔''

بڑے حوصلہ مند حلیم الطبع اور بردباری کا انتہائی مقام حاصل ہونے کے باوجود زندگی

میں کئی مرتبہ صبر کا پیمانہ لبریز ہوا اور دل کے جذبات آنسوؤں کی صورت موتی بن کر چہرے پر ڈھلک پڑے۔ لیکن انتہائی اندوہ اور غم کے عالم میں بھی آپ ﷺ کی زبان پاک سے ناشکری، ناقدری اور خدا کی نافرمانی کا شائبہ تک محسوس نہیں کیا گیا۔ کئی بار آپ ﷺ کی یہ حالت ہوتی کہ صدمہ اور غم انتہا کو پہنچ گیا۔ کلیجہ زخمی اور جگر پاش پاش ہوا جا رہا ہے مگر اظہارِ غم کے لیے آپ ﷺ نے وہی الفاظ استعمال فرمائے جس پر اللہ تعالیٰ راضی رہیں۔ زندگی میں پیش آنے والے صدمات کی تھوڑی سی تصویر دیکھیے۔

والدہ کی قبر پر سسکیاں بندھ گئیں

نبی اکرم ﷺ ابھی دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے کہ آپ ﷺ کے والد مکرم اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ ابھی آپؐ چار برس کے تھے تو آپ ﷺ کے مشفق اور مہربان دادا جناب عبدالمطلب اس دنیا فانی سے رحلت کر گئے۔ جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چھ سال کی ہوئی تو آپؐ کی والدہ ماجدہ کا دل چاہا کہ آپ ﷺ کو یثرب (مدینہ) آپ ﷺ کے ننھال لے جائے۔ اور ساتھ ہی آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے والد گرامی کی قبر کی زیارت کروائی جائے۔ حضرت آمنہ اپنے مرحوم سرتاج جناب عبداللہ کی نشانی حضرت محمد ﷺ کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ چلی گئیں۔

ایک مہینہ کے قیام کے بعد جب آپ مکہ مکرمہ واپس آ رہی تھیں۔ تو مدینہ سے تھوڑی دور باہر ابوالبستی کے نزدیک اچانک بیمار ہوئیں اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ام ایمن جو نبی ﷺ کی رضاعی والدہ اور آپؐ کے والدِ گرامی کی کنیز تھیں۔ وہ آپ ﷺ کی والدہ کی وفات پر آپؐ کے چہرے سے آنسو پونچھتیں، سر پر پیار دیتیں، ماتھا چومتی اور آپ ﷺ کو گود میں بٹھا کر پیار کرتی تھیں۔ اس طرح چھوٹی سی عمر میں آپؐ کے دلِ نازک پر مسلسل یتیمی کے گہرے زخم لگ رہے تھے۔ پھر وہ وقت آیا جب اللہ نے آپ ﷺ کو دنیا وجہاں کی سرداریوں اور سربلندیوں سے سرفراز کیا۔ دنیا وآخرت کی ہر نعمت آپ ﷺ کو میسر آئی لیکن

والدہ کی یاد آپ ؐ کے سینۂ مبارک میں ہمیشہ تازہ و زندہ رہی۔ نامعلوم آپ ؐ نے اللہ سے کتنی بار والدہ ماجدہ کی قبر پر جانے کی اجازت مانگی ہوگی؟ بالآخر ایک دن آپ ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مٹی کے ایک چھوٹے سے ڈھیر پر جا کر کھڑے ہوئے۔

لمحہ بہ لمحہ آپ ﷺ کی طبیعت غم سے بھری جا رہی تھی۔ جسم اطہر پر کپکپی طاری ہوئی، رونگٹے کھڑے ہوگئے اور آپ ﷺ کی آنکھیں آنسوؤں سے تر بہ تر ہوئی جا رہیں تھیں۔ جب غم زیادہ بڑھا تو آپ ﷺ سر جھکا کر زمین پر بیٹھ گئے اور اس قدر روئے کہ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس سے پہلے ہم نے آپ ﷺ کو اس طرح سسکیاں بھرتے اور روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ جب آپ ﷺ وہاں سے واپس پلٹے طبیعت کچھ سنبھل گئی تو آپ ؐ کے ساتھیوں نے پوچھا اے اللہ کے پاک نبی ﷺ! یہ کس کی قبر تھی جس پر آپ ﷺ اس قدر روتے رہے؟ تو آپ ؐ نے ارشاد فرمایا یہ میری والدہ کی قبر تھی۔ میں نے اللہ سے دعا کی اجازت طلب کی لیکن مجھے صرف زیارت کی اجازت عنایت فرمائی گئی۔

(مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور)

(عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ زَارَ النَّبِیُّ ﷺ قَبْرَ اُمِّهٖ فَبَکٰی وَاَبْکٰی مَنْ حَوْلَهٗ فَقَالَ اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّیْ فِیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ یُؤْذَنْ لِیْ وَاسْتَأْذَنْتُ فِیْ اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَهَا فَاُذِنَ لِیْ فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَکِّرُ الْمَوْتَ)

(مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر اتنا روئے کہ آپ ؐ کے ساتھی بھی رونا شروع ہوگئے۔ پھر فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کے لیے دعا کی اجازت طلب کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف قبر کی زیارت کی اجازت دی ہے۔ تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ موت یاد دلا دیتی ہے۔“

☆☆☆

بیٹے ابراہیم اور نواسے علی کی یاد میں

انسانی رشتے کے اعتبار سے نبی اکرم ﷺ باپ، نانا اور بھی کئی رشتے داریوں کے حوالے سے انسانی برادری سے منسلک تھے۔ ہر رشتے کے محبت والفت کے جو جذبات ہوا کرتے ہیں لوگوں سے کہیں بڑھ کر آپ ﷺ کا سینۂ مبارک ان احساسات سے لبریز تھا۔ حلم و بردباری کا پیکر ہونے کے باوجود دوسرے کا غم دیکھ کر آپ ﷺ تڑپ جایا کرتے تھے۔ لیکن اس وقت غم والم کی خبر لانے والا آپ ﷺ کی بیٹی کے حوالے سے ایسی خبر پیش کر رہا تھا جو کلیجہ ہلا دینے والی تھی کہ اللہ کے نبی ﷺ! آپ کی بڑی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا اکلوتا بیٹا علی رضی اللہ عنہ موت وحیات کی کشمکش میں ہے۔ اس لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا چاہتی ہیں کہ آپ ﷺ اس انتہائی پریشانی کے موقع پر ان کے ہاں تشریف لائیں۔

لیکن نبی علیہ السلام کسی دینی اور ملی کام میں انتہائی مصروف تھے آپ ﷺ کو جانے میں دیر لگی تو پھر پیغام آیا کہ ابا جان سے کہیے کہ وہ ہر صورت تشریف لائیں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ابی بن کعب ﷺ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اٹھ کر آپ ﷺ کے ساتھ چلے۔ جونہی آپؐ اپنی بیٹی کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ آپؐ کا نواسا علی رضی اللہ عنہ دیکھتے ہی دیکھتے اللہ کو پیارا ہو گیا۔ بے ساختہ آپ رضی اللہ عنہ کا چہرہ مبارک آنسوؤں سے تر بہ تر ہو گیا اور آپ ﷺ اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو صبر اور حوصلہ کرنے کی تلقین فرما رہے تھے۔

جبکہ اس سے پہلے یہ حادثۂ فاجعہ پیش آیا کہ آپ ﷺ کا لخت جگر ابراہیم علیہ السلام بیمار ہوا آپ ﷺ اسے گود میں اٹھا کر بار بار چومتے تھے۔ اسی حالت میں پیارا ابراہیم علیہ السلام آپؐ کے ہاتھوں سے رخصت ہوا۔ بیٹے کی تکلیف اور جدائی کے غم میں آپ ﷺ کے آنسو ٹپک پڑے اور آپ ﷺ نے اپنے صدمہ وغم کا اظہار ان دردناک الفاظ میں فرمایا:

(اِنَّا لَمَحْزُوْنُوْنَ بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ وَلٰكِنْ لَا نَقُوْلُ اِلَّا مَايَرْضٰى رَبُّنَا) (باب البكاء على الميت)

''میری جان تیرے جانے کا بڑا صدمہ ہے۔ دل غم سے بھر چکا ہے۔ طبیعت غم

سے نڈھال ہے مگر ہم غم کا اظہار اسی طرح کریں گے۔ جس میں اللہ کی رضا شامل رہے۔"

وفادار اور اطاعت شعار زوجہ

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی یاد میں

آپ ﷺ اپنے کمرے میں تشریف فرما ہیں۔ صحن میں ایک معزز خاتون کی آواز سنائی دی تو آپ فوراً یہ کہتے ہوئے باہر نکلے کہ یہ تو ھالہ کی آواز ہے۔ آواز سنتے ہی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پچیس سالہ رفاقت کا ایک ایک لمحہ اور واقعہ ذہن پر اتر آیا۔ جس سے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک غمزدہ ہوا جا رہا تھا۔ یہ معزز خاتون ابوالعاص (آپ ﷺ کے داماد) کی والدہ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔ موت کے بعد تشریف لائیں۔ آپ ﷺ ہالہ کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رفاقت کے واقعات کا بڑے دردناک انداز میں ذکر کرتے رہے۔

جب حضرت ہالہ رضی اللہ عنہا چلی گئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی اس حالت کو دیکھ کر عرض کرتی ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ! زمانہ گزر گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی اچھی اچھی بیویاں عنایت فرمائی ہیں۔ لیکن آپ ﷺ اب بھی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد میں غمگین ہوئے جا رہے ہیں۔ تب آپ ﷺ فرماتے ہیں: عائشہ تجھے کیا خبر کہ وہ میری کیسی رفیقہ تھیں؟ سنو! جب لوگ میری تردید کرتے تھے تو وہ تصدیق کیا کرتی تھیں، میں باہر سے نہایت پریشان آتا وہ مجھے تسلی اور حوصلہ دیتی تھیں، اس نے اپنا مال غریب مسلمانوں پر نچھاور کر دیا اور خود فاقوں کی حالت میں اس دنیا سے چل بسیں۔ (مسند احمد)

اسی طرح غزوۂ بدر کے قیدیوں میں آپ ﷺ کا داماد بھی تھا جو بادلِ نخواستہ جنگ میں شریک ہوا۔ 70 قیدیوں کے ساتھ جب مدینہ لایا گیا تو دوسروں کی طرح انہوں نے فدیہ کے طور پر جو مال پیش کیا، اس میں آپ ﷺ کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کا وہ ہار بھی تھا جو رخصتی کے

وقت اس کی عظیم والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی کو دیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس ہار کو دیکھا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد میں بے اختیار رو پڑے اور اسکے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اگر آپ اجازت دیں تو یہ ہار واپس کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ اس خاتون کی نشانی ہے جس نے اللہ کے دین اور مسلمانوں کی خدمت میں بڑی قربانیاں پیش کی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بے مثال قربانیوں کو جانتے تھے۔ اس لیے انہوں نے بیک زبان عرض کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ یہ ضرور واپس فرما دیجیے۔

ساتھیوں کی موت پر آپ ﷺ کا رونا

آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کی چھوٹی چھوٹی تکلیف پر دل گرفتہ اور پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم نے آپ ﷺ کے دل کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کی ہر تکلیف نبی ﷺ کی ذات پر گراں گزرتی ہے۔ پھر موت جیسا واقعہ جو کہ ہمیشہ کی جدائی کا صدمہ تھا وہ کیونکر آپ ﷺ کے نرم و نازک دل پر اثر انداز نہ ہوا کرتے۔ جب بھی کسی کی موت کی خبر آتی آپ ﷺ سراپا غم بن جاتے۔ مرحوم کے رشتہ داروں سے دل کی گہرائیوں کیساتھ شریک غم ہوتے ہوئے صبر اور حوصلہ دیا کرتے۔ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کی موت نے تو آپ ﷺ کو بہت رلایا تھا۔ جن میں سعد بن معاذ' مصعب بن عمیر' ابو سلمہ' حضرت حمزہ' جعفر طیار رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جنگِ موتہ میں شہید ہوئے۔ بذریعہ وحی خبر آئی تو مجلس میں تشریف فرما تھے کہ زار و قطار آنسو جاری ہو گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا تو فرمایا کہ جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں۔ (مشکوٰۃ باب فی المعجزات)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ ان کے جسد پاک کا مثلہ کیا گیا نبی ﷺ کے چچا کو اس جرم کی پاداش میں کہ بدر میں انہوں نے تیس سے زیادہ کفار کو جہنم رسید کیا تھا۔ ان کے جسد خاکی کی اس طرح بے حرمتی کی گئی کہ ان کے سینے کو چیر کر کلیجہ نکالا گیا' لاش کو روندا گیا' حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ آپ ﷺ ان کے جسد پاک کو دیکھ کر اس قدر روئے

تھے کہ اس سے پہلے کسی شہید پر اس قدر آپ ﷺ کو روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

(الرحیق المختوم)

ابوسلمہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت کے وقت جو تکالیف اٹھائی تھیں اس کی تفصیل دیکھنے کے لیے میری کتاب سیرت ابراہیم علیہ السلام کا مطالعہ فرمائیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر یہ کہتے ہوئے اللہ کو پیارے ہوئے:

(اَللّٰھُمَّ اخْلُفْنِیْ فِیْ اَھْلِیْ خَیْرًا)

''اے اللہ! میرے بچوں کی دستگیری فرمانا۔''

دفناتے وقت آپ ﷺ کے مبارک آنسو ان کے چہرے پر اتر گئے۔ یہی حالت حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے دفناتے ہوئے دیکھی گئی۔ یہ وہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی ہجرت سے پہلے آپ ﷺ کے حکم پر آ کر مدینہ میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ ان کی خدمات کا نتیجہ تھا کہ مدینہ میں آپ کا ایسا شاندار استقبال ہوا کہ پردہ نشین عورتیں بھی مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر آپ ﷺ کا انتظار کر رہی تھیں۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مدینے کے وہ سردار تھے کہ جنہوں نے جنگِ احد سے پہلے کہا تھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہماری طرف سے مطمئن ہو جائیں۔ آپ ﷺ ہمیں سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم دیں تو ہم ایک لمحہ سے پہلے کود جائیں۔ پھر انہوں نے شہادت کے وقت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام اور اپنی قوم کو یہ پیغام دیا تھا۔ دیکھنا آپ کے جیتے جی نبی کو نقصان نہ پہنچے۔ اگر آپ ﷺ کو کوئی نقصان ہوا تو قیامت کے دن کیا منہ دکھاؤ گے۔ آپ ان کی شہادت پر نہایت افسردہ خاطر رہے۔

☆☆☆

☆ مسلمان عزیز و اقربا اور ماں باپ کی قبر کی زیارت اور دعائے مغفرت کر سکتے ہیں۔
☆ صدمات زندگی کا حصہ ہیں حوصلے کے ساتھ برداشت کیجیے۔
☆ مصیبت کے وقت صبر اور اللہ سے دنیا اور آخرت میں مدد کی امید رکھنا۔

☆☆☆

آپ ﷺ کا سفر واپسیں

﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُم مَّيِّتُوْنَ ﴾ (الزمر: ٣٠)

''موت آپ کو بھی آئے گی اور یہ بھی مرنے والے ہیں۔''

﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴾ (الانبیاء: ٣٤)

''ہم نے کسی بشر کو ہمیشہ رہنے کیلیے پیدا نہیں کیا۔ آپ فوت ہونگے تو کیا یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟''

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴾ (الرحمٰن: ٢٧، ٢٦)

''ہر چیز فناہ ہونیوالی ہے تیرے رب کی جلیل وکریم ذات ہی باقی رہے گی۔''

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾ (ال عمران: ١٨٥)

''آخرکار ہر شخص کو مرنا ہے اور قیامت کے روز تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ چکایا جائے گا۔ کامیاب حقیقتاً وہ ہے جو جہنم کی آگ سے بچ کر جنت میں داخل کردیا گیا یہ دنیا تو صرف پرفریب چیز ہے۔''

انسان ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں جانے کیلیے آیا۔ کوچ اس کا مقدر ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ فنا کے گھاٹ اترنے والا ہے۔ مگر جن وانس کے بارے میں ارشاد ہے کہ تمہاری اس فنا میں ہمیشہ کی بقا مضمر ہے۔ اچھی یا بری بقا کا فیصلہ تمہارے اعمال کی بنیاد پر کیا جائے گا لہٰذا تمہیں اس دن کی جواب دہی کے لیے سمجھ سوچ کر یہ قدم اٹھانا ہوگا۔ انسان کو ذمہ دار اور اس کے فکر وعمل میں سنوار پیدا کرنے کے لیے فکرِ آخرت کا نظریہ بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

اس کے بغیر کوئی آدمی اللہ تعالیٰ پر کتنا ہی پختہ یقین کیوں نہ رکھتا ہو قانون کا شکنجہ جتنا چاہے کس دیا جائے آدمیت ذمہ داری کے دائرے میں کبھی پابند نہیں رہ سکتی۔ اس عقیدے کے بغیر نیکو کاروں کو نیکی کی لذت اور اسکے بہتر انجام کی امید نہیں ہوسکتی کیونکہ دنیائے رنگ وبو کے اندر اچھائی کے قدر دان بہت ہی کم ہوا کرتے ہیں۔

﴿ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴾ (سباء: ۱۳)

"میرا شکریہ ادا کرنے والے بہت تھوڑے لوگ ہیں۔"

اس لیے روز اول سے آسمانی نظریے میں اس عقیدے کو کلیدی حیثیت حاصل رہی ہے۔ جب تک اس اساسی نظریئے کو آدمی اپنے سفر کی منزل نہیں ٹھہراتا اس وقت تک اصلاحِ انسان کا کام مشکل ہی نہیں ناممکنات میں شمار کیا جانا چاہیے۔ ایک با اختیار انسان کو اس کی جفا کاریوں سے روکنے کا فقط یہی طریقہ ہے کہ اس کے ضمیر پر یہ بات حاوی ہو کہ یہاں تیرا ہاتھ پکڑنے والا شاید کوئی نہ ہو مگر مرنے کے بعد ایک ایک حرکت کا جواب دینا ہوگا۔ وہاں تیرا کوئی پرسان حال نہ ہوگا پھر موت ایک ایسی ٹھوس اور اٹل حقیقت ہے۔ ہر سچائی کا منکر بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا اس گھاٹ پر اترے بغیر کسی ذی روح کو چارۂ کار نہیں ہوگا۔ حتی کہ کائنات کے وہ عظیم انسان جن کی ذات انسانیتِ کا خلاصہ اور شرف تھی۔ ان کے لیے بھی موت کی وادی میں داخل ہوئے بغیر کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ اس لیے فکرِ آخرت کے حوالے سے آپ ﷺ نے لوگوں کے اعمال وافکار میں پاکیزگی پیدا کرنیکی کوشش فرمائی۔

آپ ﷺ کا سفرِ آخرت

آپ ﷺ کا اپنا سفرِ واپسیں اس قدر دردانگیز اور غم ناک ہے کہ ہلکی سی سنجیدگی رکھنے والا شخص بھی آپ ﷺ کی موت کے منظر کو پیش نظر رکھے تو اسے اپنے آپ کو صحیح راستے پر گامزن رکھنا انتہائی آسان ہوجائے گا۔ انتقال سے تیرہ دن قبل آپ ﷺ ایک جنازہ

پڑھانے کے بعد گھر کی چوکھٹ میں اس حال میں داخل ہوتے ہیں کہ آپ ﷺ کے وجودِ اطہر میں حرارت اور سر مبارک میں ہلکا سا درد شروع ہو چکا ہے۔ بخار میں اضافہ اور شدتِ درد کی بناء پر سر مبارک پر پٹی باندھے ہوئے ہیں۔ وفات سے پانچ دن پہلے تک سخت تکلیف کے باوجود آپ ﷺ کے ذاتی اور ملی معمولات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔

وفات سے پانچ دن قبل

آج آپ ﷺ کی حیات مبارکہ تریسٹھ سال ہو چکی ہے۔ مبارک اور پاکیزہ حیات کے صرف پانچ دن باقی ہیں۔ طبیعت میں انتہائی ضعف اور کمزوری واقع ہو چکی ہے لیکن اس حالت میں بھی امت کا غم اس قدر دامن گیر ہے کہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنے منبر پر جلوہ افروز ہو کر انتہائی رقت آمیز لہجے میں اللہ کی حمد و تعریف کے بعد خطاب کا آغاز فرمایا:

''ساتھیو! میں نے ہر کسی کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے صرف ایک شخص ایسا ہے کہ کوشش کے باوجود اس کے احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکا۔''

آپ ﷺ کی گفتگو کا رخ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف تھا اور پھر واضح الفاظ میں فرمایا کہ مسجد کے صحن میں پڑنے والے دروازے بند کر دیے جائیں صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دروازہ باقی رہے گا۔ (مشکاۃ باب مناقب ابی بکرؓ)

جب آپ ﷺ کی زبانِ اطہر سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے کہ اللہ نے ایک بندے کو یہ اختیار عطا فرما دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو دنیا میں مزید دن گزار لے نہیں تو میری ملاقات کیلیے حاضر ہو جائے تو یہ الفاظ سنتے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زار و قطار رونا شروع کر دیتے ہیں لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے رونے پہ تعجب کا اظہار کیا۔ (مشکاۃ باب وفات النبیؐ)

لیکن چار ہی دن بعد نبی اکرم ﷺ کی موت نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بصیرت اور تعلقِ خاطر پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انصار کے بارے میں وصیت فرمائی۔ کہ یہ میرے جگر گوشے ہیں جو شخص بھی امت کے اجتماعی امور کا

ذمہ دار ٹھہرایا جائے اس کا فرض ہوگا کہ ان کے حقوق کا خیال رکھے۔ پھر دوسرے امور کے ساتھ ہر حال میں قرآن وسنت کو لازم پکڑنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ یہود ونصاریٰ پر اللہ کی پھٹکار ہو کہ انھوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کو مسجد کا مقام دیتے ہوئے سجدہ گاہ بنالیا۔ (مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلاۃ)

آخر میں فرمایا لوگو! مجھ سے کسی نے کوئی قرض یا بدلہ لینا ہو تو میں حاضر ہوں۔ ایک شخص اٹھا اس نے تین درہم قرض کی نشاندہی کی تو آپ ﷺ نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو ادائیگی کا حکم دیا۔ دوسرے نے اٹھتے ہوئے عرض کیا آقا! فلاں موقع پر آپ ﷺ کے ہاتھ سے مجھے چھڑی لگ گئی تھی اور میں ننگے بدن تھا آپ ﷺ نے جسمِ اطہر سے قمیص اٹھاتے ہوئے بدلے کی پیشکش کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعجب اور حیرانگی سے اس شخص کی جرأت اور بے باکی' آپ ﷺ کے عدل وانصاف اور تواضع کو دیکھ کر جذبات کے تلاطم میں گم ہوئے جا رہے تھے وہ شخص آگے بڑھا اور فرطِ محبت میں وجودِ اطہر کو چومتے ہوئے آپ ﷺ کے ساتھ لپٹے ہوئے عرض کرتا ہے آج زندگی بھر کی تمنا پوری ہوئی۔

وفات سے چار دن قبل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ احکامات جاری فرمائے:

۱۔ یہود ونصاریٰ اور مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے۔

(مشکوٰۃ باب وفات النبیؐ)

۲۔ مدینہ آنیوالے وفود کا پورا پورا احترام کیا جائے۔

۳۔ لشکر اسامہ کو ہر صورت روانہ کرنا ہوگا۔ (مشکوٰۃ باب وفات النبیؐ)

۴۔ نماز اور غلاموں کے حقوق کا خیال رکھنا۔ (ابن ماجہ کتاب الوصایا)

۵۔ کتاب وسنت کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہنا۔ (بخاری)

وفات سے دو دن قبل

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سہارے نماز ظہر میں شرکت فرمائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کروا رہے تھے۔ ان کے پہلو میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی تو آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ ٹھہرے رہیے۔ آپ ﷺ اُن کے پہلو میں بیٹھ کر جماعت کروا رہے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بلند آواز میں اقتدا کر رہے تھے۔ (مشکوٰۃ باب ما علی الامام)

وفات سے ایک دن پہلے

اتوار کے دن غلام آزاد کرتے ہوئے جو چند دینار گھر میں تھے وہ صدقہ کیے اور اپنا اسلحہ بیت المال میں جمع کروا دیا۔ (مشکوٰۃ باب وفات النبیؐ)

یوم واپسیں

آج سوموار کی صبح نماز فجر کی امامت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کروا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اچانک اپنے حجرے کا پردہ ہٹایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھتے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ سامنے ہونے کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہیں خود بخود آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر جم گئیں قریب تھا کہ ذوق زیارت کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی نماز ٹوٹ جاتی یہ حالت دیکھ کر آپؐ نے ہاتھ کا اشارہ کیا کہ نماز جاری رکھی جائے۔ سورج نکلنے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بُلا کر سینے سے لگایا اور فرمایا کہ جدائی کا وقت آن پہنچا ہے۔ یہ سنتے ہی آپ کی لخت جگر کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں۔ وہ سسکیاں بھرتے ہوئے زار و قطار رو رہی تھیں۔ دوبارہ بلا کر تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ زیادہ غم نہ کیجیے۔ آپ سب سے پہلے میرے ساتھ ملنے والی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کی بہت جلد ہونے والی موت کی خبر دی جا رہی ہے۔ مگر بیٹی کا اپنے والد گرامی کے ساتھ اتنا پیار اور محبت

ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جلد ہونے والی ملاقات پر غم ہلکا ہوا اور چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ (مشکوٰۃ باب وفات النبیؐ) پھر حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو چوما اور ان کا خیال رکھنے کے بارے میں نصیحت فرمائی۔ اس کے بعد اہل خانہ کو تسلی اور وصیتیں فرماتے رہے۔ آخر میں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

(اَلصَّلٰوةُ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ) (ابن ماجه كتاب الوصايا)

"نماز اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھنا۔"

گویا کہ اللہ کے حقوق میں سرفہرست نماز اور بندوں کے معاملات میں زیر دست لوگوں کے حقوق کی نگہداشت کا حکم دیا۔ بخار کی شدت اور سر درد کے عالم میں فرمایا کہ خیبر کے موقع پر جو زہر آلود لقمہ میں نے لیا تھا اسکی وجہ سے میری شہ رگ کٹی جارہی ہے۔ (مشکوٰۃ باب وفات النبیؐ) بخار کی شدت کو کم کرنے کے لیے آپ ﷺ بار بار پانی سے تر ہاتھ اپنے چہرۂ مبارک پر ملتے ہوئے فرما رہے تھے:

(اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ) (مشكوٰة باب وفات النبیؐ)

"موت کے لمحات بہت سخت ہیں۔"

اسی حالت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تازہ مسواک دیکھی تو پلکوں سے اشارہ فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسواک چبا کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ مسواک کے بعد شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور قرآن پاک کی آیت تلاوت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا: "اے اللہ مجھے معاف کر اور مجھ پر رحم فرما۔"

پھر کلمہ طیبہ اور یہ کلمات ادا کیے:

﴿ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ (النسآء: ٦٩)

(مشكوٰة باب وفات النبیؐ)

"اے اللہ! اپنے انعام یافتہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی بہترین رفاقت نصیب فرما۔"

(اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ) (بخاری)

"اے اللہ! مجھے معاف فرما اور مجھ پر رحم فرما۔"

اس کے ساتھ ہی نگاہیں چھت کی طرف لگ گئیں۔ آپ کی عمر مبارک تریسٹھ سال چار دن اور چند لمحات تھی۔ سوموار کو طلوع آفتاب کے تقریباً دو گھنٹے بعد ہمیشہ کے لیے اللہ کے حضور پہنچ گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ○

☆☆☆

☆ موت انسانیت کا مقدر۔
☆ آپ ﷺ کی موت سے اپنی موت کا تصور کیجیے۔
☆ موت سے پہلے اپنے معاملات درست اور وصیت لکھ دیجیے۔
☆ اللہ تعالیٰ سے بہتر موت کی دعا کیجیے۔

﴿اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾

(یوسف: ۱۰۱)

"اے اللہ آپ ہی دنیا و آخرت میں مالک ہیں مجھے فرمانبرداری کی موت اور نیک لوگوں کا ساتھ نصیب فرما۔"
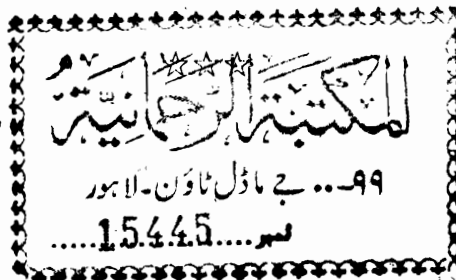
نشریاتِ اکیڈمی

از: قلم میاں محمد جمیل

(۱) دین تو آسان ہے
(۲) برکاتِ رمضان
(۳) آپ ﷺ کا حج
(۴) انبیاء ؑ کا طریقہ دعا
(۵) سیرت ابراہیم علیہ السلام
(۶) زکوۃ کے مسائل وفوائد
(۷) اتحادِ امت اور نظمِ جماعت
(۸) آپ ﷺ کا تہذیب وتمدن
(۹) فضیلت قربانی اور اس کے مسائل
(۱۰) مشکلات کیوں؟ نکلنے کے الہامی راستے
(۱۱) جادو کی تباہ کاریاں۔ ان کا شرعی علاج
(۱۲) آپ ﷺ کی نماز، قیام وسجود کی عملی تصاویر

فہم الحدیث

مشکوۃ المصابیح سے متفق علیہ بخاری ومسلم کی مکمل روایات ان پر محدثین، دیوبند، بریلوی اور اہلحدیث علماء کا اتفاق ہے اس کے پڑھنے کے بعد 80% مسائل کسی عالم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

تیسرا ایڈیشن: صفحات 1240: قیمت فی سیٹ -/600 روپے

منفرد تفسیر

فہم القرآن

ابن کثیر، کشاف، جامع البیان، رازی ودیگر عربی تفاسیر کا خلاصہ اور تفسیر ثنائی، احسن، معارف، تدبر، تیسر وتفہیم القرآن کے اہم نکات پر مشتمل، جدید علم کا سنگھم۔ جس میں لفظی ترجمہ، حل لغات، تفسیر بالحدیث کا التزام۔ پہلے پانچ پاروں پر محیط جلد اوّل رمضان 2005ء میں دستیاب ہوگی۔ ان شاء اللہ